فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۶   شمارہ: ۲،۱

نعت اور آدابِ نعت گوئی☆
افاداتِ کشفی کی روشنی میں

پروفیسر محمد اقبال جاوید

جناب سیّد محمد ابوالخیر کشفی سے احقر ذاتی طور پر شناسا نہیں ہے۔ نام ضرور سن رکھا تھا مگر ان کی تحریروں سے تعارف ''نعت رنگ'' کی وساطت سے ہوا۔ جوں جوں انھیں پڑھتا گیا، توں توں روحانی طور پر ان کے قریب ہوتا چلا گیا اور ظاہری شناسائی بے معنی سی ہوکر رہ گئی کہ:

تصور خود بنا لیتا ہے 'تحریروں' سے تصویریں
مری محفل میں نادیدہ بھی نادیدہ نہیں ہوتے

ان کی 'نعت شناسی' سے متعلق یہ طویل مضمون از خود چار حصوں میں بٹ گیا ہے۔

(الف) جناب کشفی کی تحریر کے آئینے میں ان کی اپنی شخصیت کے خال و خط ہیں کہ تحریر پر لکھنے والی شخصیت کی چھوٹ تو بہر کیف پڑا کرتی ہے:

(ب) ان کی عقیدت، رسالت مآب ﷺ کی عظیم و جلیل شخصیت کا کس انداز سے طواف کرتی ہے؟

(ج) ان کے نقطۂ نظر سے 'نعت' کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

(د) آدابِ نعت گوئی کے بارے میں ان کے نظریات کیا ہیں؟

گو حوالے ساتھ ساتھ موجود ہیں مگر ان کے اقتباسات، احقر کی تحریر کے تسلسل میں ضم ہوگئے ہیں:

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگر تو دیگری

گویا زیر نظر سطور میں پروفیسر محمد ابوالخیر کشفی کی تحریروں میں بکھرے موتیوں کو ایک انشائی ربط کے ساتھ یک جا کرنے کی امکانی سعی کی گئی ہے۔

جناب سیّد محمد ابوالخیر کشفی جیسی خود شناس اور خدا آگاہ شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں، ان کے لیے گردشِ لیل و نہار کو مدتوں منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اس دور فتنۂ آخر زماں میں دل و نگاہ، آگہی کے اسی کیف کے لیے ترس رہے ہیں۔ یہ دن یادوں سے معطر ہیں نہ راتیں اشکوں سے منور، نہ چراغ رخ ہے نہ شمع وعدہ، گل ہیں کہ سرشاخ جل گئے ہیں اور دل ہیں کہ سرشام بجھ گئے ہیں...... کوئی ویرانی سی ویرانی ہے، ساری دنیا ہماری حالت پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا:

ہم وہ تھے جن کو خندۂ گل نے جگا دیا
ہم وہ ہیں جو خروشِ سلاسل میں سو گئے

☆ نعت نگر کا باسی، مرتبہ: صبیح رحمانی۔۲۰۰۸ء، اقلیم نعت، کراچی

ایسے میں اگر کوئی شخصیت ایسی ہے جس کے دل میں ایمان کی حلاوت، روح میں خشیتِ الٰہی کی جھلک، آنکھ میں حیاء کی معصومیت اور تحریر میں عدل و خیر کی تعبیر ہے تو جہاں اس نعمت کے لیے بارگاہ خدا وندی میں سجدہ ریز استحسان ہوں وہاں اس شخصیت کے لیے بھی اپنے دل کی دعائیں اور قلم کی نوائیں وقف کردینا اپنا فرض انسانیت جانتا ہوں، ایسے خوش نصیب خال خال ہیں جو التجاؤں کے جلو قلم اٹھاتے، حرف حرف اجالتے، لفظ لفظ نکھارتے، خود نعت کہتے اور دوسروں کی لکھی ہوئی نعتیں پڑھتے پڑھتے دیار شب سے سواد فجر تک پہنچ جاتے ہیں تو بے ساختہ اپنی کیفیت کا اظہار یوں کرجاتے ہیں...... ''لیجیے فجر کی پہلی اذان فضا میں بلند ہو رہی ہے، مؤذن اللہ تعالیٰ کی وحدت اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی گواہی دے رہا ہے اور اب وہ کہنے ہی والا ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ اذان فجر کے بارے میں اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آج رات آپ کی شاعری نے مجھے غفلت سے دور رکھا اور میں آپ کے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا اور میں نے اپنے آپ کو روحانی طور پر ادب و احترام اور دیدہ نم کے ساتھ مواجہ شریف میں کھڑے ہوئے پایا۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے جناب کشفی کو بیدار دل اور تابندہ ذہن سے نواز رکھا ہے، ذہن و دل کی اس پاکیزہ ہم آہنگی کا فیض ہے کہ وہ جب بھی نعت کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی اس منزّہ فکری اور مطہر قلبی کے باعث قاری کو بھی بقدر ظرف گداز تپش اور نیاز و ناز کی دولت ملتی ہے اور اس کا تصور اس ستھرے اور نکھرے ماحول میں پہنچ جاتا ہے جس کے حسن و تأثر کو الفاظ کا کوئی سا پیرایۂ اظہار کا کوئی سا سلیقہ اور شاعری کا کوئی سا قرینہ بھی بیان نہیں کرسکتا ہے۔ اسی سے ہلکا سا اندازہ ہوسکتا ہے کہ صاحب تحریر خود سرور و کیف کے کن جذبوں سے بہرہ ورہ ہے۔ انھوں نے محسن کاکوروی کے کلام میں مدتوں پہلے پڑھا تھا کہ رات کعبے میں برائے وضو داخل ہورہی ہے، سناٹا اور انفاس ہوا ہم آغوش ہیں اور غلاف کعبہ میں جذبات کی لرزش خفی، محسن چشم تصور سے دیکھتا ہے اور کشفی صاحب جب حرمِ کعبہ میں پہلی بار داخل ہوتے ہیں تو ان کا دل زندہ انھی اشعار کی اثر آفرینیاں وہاں محسوس کرتا ہے...... میں نے دیکھا کہ غلاف کعبہ میں حرکت سی تھی۔ غلاف کعبہ کا طواف کر رہا تھا رات نے غلاف کو اپنا پردہ بنا لیا تھا۔ انسانی آوازوں کے درمیان خاموشی کا ایک جزیرہ تھا اور رات خاموشی کے اس جزیرے میں انفاس ہوا سے پیام دوست سن رہی تھی، سنگ اسود

ازلی اور ابدی خوشبوؤں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔(۲)

مدینہ شریف میں حاضری، ہمت کی بات ہے حق یہ ہے کہ احقر سے تو ڈھب سے سلام بھی پیش نہ ہوسکا تھا اور علامہ اقبال علیہ الرحمہ اقبال جاوید کے در دل پر بار بار دستک دیتا تھا کہ:

چوں بنام مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درود خود میالا نام او ﷺ

دل کی خباثتیں اور نظر کی حماقتیں ابل ابل کر اور ابھر ابھر کر روبرو آتی تھیں، نگاہ اُٹھتی نہ تھی، لب ہلتے نہ تھے اور قدم اٹھتے نہ تھے ......اور...... زبان بمشکل یہی کہہ پائی تھی:

نہ فکر بس میں، نہ قابو نظر پہ ہے آقا
دل و دماغ کی دنیا ہے تیرگی کے لیے
زمانے بھر میں تجلی بکھیرنے والے
کچھ اہتمام، مرے دل کی روشنی کے لیے

حق یہ ہے کہ ندامت کا یہ احساس جب اپنے نقطۂ عروج کو چھوتا ہے تب لطف و کرم انسان کا احاطہ کرلیتا ہے اور کرب، آسودگی میں بدل جاتا ہے کہ وہ ذات پاک ﷺ رؤف و رحیم بھی حد سے زیادہ ہے اور اس کی دعا بھی وجہ سکون دل۔ جناب کشفی، مدینہ منورہ میں حاضری کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں...... میں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی ﷺ کے روبرو پایا، اب میں آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور اس آئینے میں میرے مقابل تمام عیوب برہنگی تھے، اپنی زندگی کی ہر شکن میرے سامنے تھی، میری نگاہیں جھک گئیں، ہمت کرکے پھر نگاہیں آئینے کی سمت اٹھائیں، اس آئینے میں میرے سارے داغ موجود تھے اور ان داغوں کے درمیان میرا دل تھا۔ سیاہ۔ ہوس لالہ رخاں سے داغ داغ...... مگر ان داغوں کے درمیان ایک روشن محمدی ﷺ کا وہ نقش تھا جو ہر مسلمان کی طرح میرے دل میں بھی موجود تھا اور جسے مسجد نبوی ﷺ کے آئینے نے مہر صفت بنا دیا اور آئینے نے مہر صفت دل بلکہ مہر درخشاں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ (۳)

انسان جب دیار خدا و رسول ﷺ میں حاضری دیتا ہے تو وہ سراپا التجا بن جاتا ہے، کائنات نوک مژہ پر تل جاتی ہے، ہر لمحہ دعاؤں سے مستنیر رہتا ہے وہاں درد چھلکتا اور آنسو بولتے ہیں لرزشوں کو زبان مل جاتی ہے اور دھڑکنیں، داستان دل کہتی ہیں:

مرے درد نہاں کا حال محتاج بیاں کیوں ہو
جو لفظوں کا ہو مجموعہ وہ میری داستاں کیوں ہو

جناب کشفی کو جب بھی اللہ تعالیٰ نے وہاں حاضری کی توفیق دی تو انھوں نے غزل کے اشعار میں حضوری کا جو کیف محسوس کیا وہ ان کی حیات مستعار کی متاع عزیز بن گیا اور ان اشعار کو آج بھی جب ان کی تنہائی دہراتی ہے تو نظر میں پھول کھل کر اور دل میں شمعیں جل کر تصور کی دنیا کو رعنا بناجاتی ہیں کہ:

بچھڑ کے بھی تیری یادوں کی رہ گزر میں رہے
سفر کے بعد بھی ہم حالت سفر میں رہے

ایک مقام پر وہ اپنی کیفیت کا اظہار یوں کرتے ہیں...... راقم الحروف کو قیام ارضِ مقدس کے دوران میں اردو کا کوئی اور شاعر اتنا یاد نہیں آتا جتنا مولانا حسرت موہانی (اور ان کے اشعار) یاد آتے ہیں، غالبًا یہ دل بیدار حسرت کے نغموں کی جزا ہے اکثر میں نے اپنی کیفیت مولانا کے شعروں کے ذریعے بیان کی ہے یا مولانا میری دید میں شامل ہوگئے ہیں۔ 'گنبدٖ' اور 'دریا' کے درمیان کوئی ذہنی اور شعری تلازمہ نہیں ہے مگر دور سے جب گنبدِ خضریٰ پر نظر پڑتی ہے تو مولانا یاد آجاتے ہیں:

جب دُور سے وہ گنبدِ خضریٰ نظر آیا
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آیا

مولانا کی آنکھوں جھلملاتے آنسوؤں نے اس تلازمہ کو جنم دیا ہے۔ ایک بار میں نے غار ثور تک پہنچنے کا تصور کیا۔ لیکن اپنی صحت اور غار کے راستے کی دشواریوں کے خیال اور اندیشے نے اس قصد کو فسخ کیا۔ اس مجبوری اور بے قراری کی ملی جلی کیفیت اور فضا میں مولانا یاد آئے:

غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مرے شوق کی بلندی، مرے حوصلے کی پستی(۴)

غزل کے اشعار نے ان کی تحریروں ہی کو نہیں، ان کی تمناؤں کو بھی رنگ و آہنگ کی ایک دنیا دی ہے۔ حضرت ثاقب کانپوری نے ایک مقام پر لکھا تھا کہ ''غزل کی علامتوں اور اشاروں کی معنویت ہر دور میں بدل جاتی ہے۔'' مگر جناب کشفی کے ہاں یہ معنویت ہر موقع اور ہر ساعت بدل جاتی ہے:

نیا ہے لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

گو ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے کہ یہ صنفِ سخن ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی۔ مگر دور حاضر میں نعتوں کی بارش ہورہی ہے۔ ہر نوع کی نعتیں لکھی جارہی ہیں، دل سے بھی اٹھ رہی ہیں۔ زبان سے بھی اور محض قلم سے بھی ...... جو نعت قاری کے دل کی دھڑکن کو تیز نہیں کرتی، چاہت کو کیف اور انتظار کو اضطراب عطا نہیں کرتی وہ فکری گداز سے تہی، صرف خوب صورت الفاظ کا مجموعہ ہے، رنگینیٔ حسن بیان اپنی جگہ، مگر سوز دروں کی آنچ کا مقام اپنا ہے اور دونوں کا حسین امتزاج ہی نگاہ کو مائل، ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کیا کرتا ہے آج بفضلہٖ تعالیٰ قابل قدر نعتیں بھی لکھی جارہی ہیں اور یہ نعتیں فی الواقع حبِ رسول ﷺ کو تازہ تر کر رہی ہیں اور حضور ﷺ کی اس محبت کے طفیل، ہمارے ایمان پر نکھار آرہا ہے، ہمارا تشخص واضح ہو رہا ہے، ہمارا حوالہ ایک حقیقت بن رہا ہے اور یہی محبت، یہی تشخص اور یہی حوالہ ہماری نشأۃ ثانیہ کا ایک خوبصورت ذریعہ ہے سچی بات یہ ہے کہ ......اگر ذکر محمد عربی ﷺ یوں نہ ہورہا ہوتا تو ہمارے معاشرے کی صورت کیا ہوتی؟ ہم اپنا تشخص کھو بیٹھتے، اقدار حیات سے محروم ہوتے، کسی جبر کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھتی، غیروں کی تقلید ہماری اجتماعیت کو مٹادیتی۔ آج ہمیں احساس زیاں ہے تو اسی ذکر گرامی سے اور یہی ذکر ہماری باز آفرینی کے تمام امکانات اپنے دامن میں رکھتا ہے کہ در مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی ہی ہمارے ایمان کی کسوٹی اور دکھ درد کا علاج ہے۔(۵)

انسان کے دل میں حقیقت، حسن اور خیر کی طلب کا جو والہانہ جذبہ ہے اس کے بے ساختہ اظہار کا نام شعر ہے۔ حرف تمنا جو روبرو نہ کہا جاسکے وہ شعر کے پردے میں بے اختیار ادا ہوجاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بجنوری کے الفاظ میں ''شعر کو تصویر پر یہ ترجیح ہے کہ تصویر ساکن ہے اور شعر متحرک، تصویر اپنے قائم کردہ انداز کو نہیں بدل سکتی، شعر ایک کیفیت کی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، تصویر رقبہ حیات پر ایک نقطہ ہے، شعر ایک دائرہ ہے'' اب درج ذیل اشعار میں جناب کشفی کی چلتی پھرتی، بولتی چالتی اور سمجھتی سمجھاتی شخصیت کے مختلف پہلو دیکھیے اور پھر اپنے دل کے آئینے میں جھانکئے اور سوچئے کہ یہ متحرک تصویر، تصور کا حسن ہے یا نہیں:

قرآن کے اوراق میں پڑھتا ہوں انھی کو
اس مصحف ناطق کی تلاوت پہ نظر ہے

☆

غیب بھی ان کے کرم سے میری نظروں پہ کھلا
میں نے دیکھی ہے مدینے میں بہشت صد رنگ

خاموش سی اک طرز فغاں لے کے چلا ہوں
آنکھوں سے نہاں اشک رواں لے کے چلا ہوں
سرکار ﷺ کے قدموں سے جبیں، عرش معلّیٰ
محراب کے ، سجدوں میں نشاں لے کے چلا ہوں
اب گنبدِ خضریٰ کے سوا عکس، نہ منظر
آنکھوں میں محبت کا بیان لے کے چلا ہوں
ہر قید زماں اور مکاں ہے مری نخچیر
جو زندہ رہے اب وہ سماں لے کے چلا ہوں
طیبہ کی ہر اک راہ مری راہ نما ہے
سرکار ﷺ کے قدموں کے نشاں لے کے چلا ہوں

☆

اسمِ محمدؐ سے اندھیروں میں جلائی قندیل
برق تابندہ ہے کشفی کی زباں کو دیکھو

☆

میرے اشکوں سے بنے گنبدِ خضریٰ کی شبیہ
تیری رحمت ہو عطا دیدۂ نم کی صورت

☆

اوراق شمائل کا یہ اعجاز تو دیکھو
آنکھوں میں بسی صورت سلطان مدینہ

☆

روضۂ پاک کا ہر نقش بصیرت کا نشاں
پھر مجھے ساعت بیدار کی یاد آتی ہے
وادیٔ خواب میں دیدار کا لمحہ چمکا
پھر اسی لذت دیدار کی یاد آتی ہے
کشفی کی نگاہوں میں اب نقش نہیں کوئی
محراب تہجد میں سرکار ﷺ نظر آئے

جناب کشفی کے قلم پر جہاں بھی اور جب بھی حضورﷺ کا ذکر آتا ہے تو ان کی نگاہوں کی تمنائیں، قلم کی نوک پر لو دیتی محسوس ہوتی ہیں۔ ان کی سوچ ایک ہی محور کے گرد گردش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی توصیفی شعر ہو یا جملہ، جہاں بھی وہ بشری خصوصیات سے بلند تر کوئی نکتہ دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن فوراً بشر سے خیر البشر اور محدود سے لامحدود کی طرف منتقل ہوجاتا ہے خواہ کہنے والے ذہن میں وہ نکتہ ہو یا نہ ہو، ان کی ذہنی اور قلبی وابستگی دیار ناز ہی کے طواف میں مصروف رہتی ہے کہ:

وہ تمام ایک جلوہ، میں تمام ایک سجدہ
مری بندگی میں حائل نہ جبیں نہ آستانہ

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہر نوع بلند ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاکﷺ کے ذکر کو بھی رفعت عطا فرمائی ہے اور اس رفعت کی عظمت یہ ہے کہ اوقات عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو اس ذکر سے معمور نہیں ہوتا، یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ طلوع و غروب آفتاب کے ضابطے ہر مقام پر مختلف ہیں۔کہیں دن کہیں رات، اوقات بھی مختلف۔ یوں کہیں نہ کہیں نماز کا وقت ہوتا ہے گویا درود و سلام کے نغمے ہر لحظہ گونجتے رہتے ہیں اور نعت درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے...... انسانیت کی پوری تاریخ میں کسی نبی کا نام معجزۂ الٰہی کے درجے پر فائز نظر نہیں آتا۔ ''محمدؐ'' ﷺ یہ لفظ کامل ترین ثنا اور نعت ہے۔ محمدﷺ وہ ہے جو موجب توصیف ہو، مجموعۂ خوبی ہو اور جس سے زیادہ تکمیل و کمال آدمیت و اخلاق کا کوئی اور نمونہ اور نمائندہ نہ ہو اور جس کا حق پورا کردیا گیا ہو۔ ذات و شخصیت اور نام کی کامل ہم آہنگی پہلی اور آخری بار حضورﷺ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہی نام فکر کا سرچشمہ اور جذبہ کے طلوع ہونے کا مطلع ہے اور یہی نام ''نعت کے الفاظ'' کی ٹکسال ہے یہی نام کارگہہ فکر ہے اور اس میں ڈھلنے والا ہر ستارہ ہمارے مقدر کی سمت کا اشارہ ہے محمدﷺ اور اسمِ محمدﷺ کے کمالات چودہ صدیوں میں وقت کے انقلابات کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہمارے سامنے آرہے ہیں یہ وہ پھول ہے جس کا کھلنا جاری ہے ہر پنکھڑی کے کھلنے کے ساتھ صل اللہ کی آواز چٹک کا اعلان بن کر کانوں سے قلب تک کا سفر کرتی ہے۔ اس ذات کی مدح و ثنا کا سلسلہ جاری ہے۔ اپنوں کے دل اور غیروں کے ذہن اور فکر، اعتراف عظمت سرور کائناتﷺ میں مصروف ہیں۔(٦)

حضورﷺ کا مبارک سینۂ انوار الٰہی سے مستنیر اور علومِ الٰہی سے معمور تھا۔ اس میں کونین کی وسعتیں سمٹ گئی تھیں۔ وہ قرآن پاک کی کیفیات و برکات کا خزینہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متن کو ہزارہا سینوں میں محفوظ کردیا اور نبی پاکﷺ کی سیرت کو ابدالآباد تک کے لیے مشعل ہدایت بنادیا کہ وہ اس متن کی ایک بشری تشریح اور عملی توضیح تھی اور ......نعت ربّ کریم کے وعدۂ بشارت

رفع ذکر کے سلسلہ گراں ارز کی ایک کڑی ہے۔

''ورفعنا لك ذكرك'' اس میں 'لک' کا ٹکڑا ملاحظہ ہو۔ تمھاری خاطر تمھارے ذکر ﷺ کا آوازا بلند کیا گیا۔ یہ تسلی اس وقت دی گئی تھی جب باطل کی تہ در تہ اندھیریوں میں شمع رسالت کی لو نے چند ہی قلوب کی فضاؤں میں چراغاں کیا تھا اور اس لمحے سے آج تک یہ ذکر لبوں پر آواز کے دائروں میں،دلوں کی دھڑکنوں میں، پلکوں کے جگنوؤں میں اور شعر و سخن کی وادیوں میں جاری ہے۔ اس رفع ذکر کا سلسلہ تو نور محمدی ﷺ کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہوگیا اور اس لمحہ سے جب لوح محفوظ پر آپ ﷺ کے اسمائے گرامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ ثبت کیے گئے۔ حضور سرور دیں علیہ الصلوۃ والسلام نے توحید کو دین کی اساس قرار دیا ہے اور اس ملت کا جگر دیکھیے کہ انھیں کیا کچھ نہ کہنے کے جذبہ کے باوجود اس توحید کی پاسداری کرتی ہے ویسے میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ محمد ﷺ اور احمد ﷺ کا مادہ ح م د ہے۔ یہ وہ ذات گرامی ہے کہ جس کے افعال محمودہ اور صفات محمود نے اسے مقام محمود کی بلند ترین مسند پر بٹھا دیا چودہ صدیوں کی دوری کے باوصف حضور ﷺ ہمارے دلوں کی دھڑکنوں میں شامل ہی نہیں بلکہ ان دھڑکنوں کا آہنگ ہیں۔ حضور ﷺ کی تعریف کے لیے آپ ﷺ کی صفات اور مقام بلند سے آگہی لازم ہے آپ ﷺ کے حسن و رعنائی کے چشمہ تک پہنچنا واجب ہے اور یہ جاننا ناگزیر ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے جہاں آدمی حزن اور خوف سے بالا تر ہوجاتا ہے حضور ﷺ تو اس مقام پر فائز تھے ہی۔ ان ﷺ کا ذکر بھی ان کے مدح خوانوں کو حزن و خوف سے بے نیاز کردیتا ہے۔(۷)

نبی کریم ﷺ ہماری پہچان اور ہماری آبرو ہیں کاش ہم بھی محبت اور اطاعت کے ذریعے ان کی پہچان بننے کی کوشش کریں کہ حضور ﷺ کی سچی اطاعت ہی تعلق خاطر کے پاکیزہ سلسلوں کو شگفتہ رکھ سکتی ہے یہ تعلق مرجھا جائے تو ہماری زندگی دھندلا جائے گی، پہچان ماند پڑ جائے گی اور رسوائی مقدر ہوجائے گی:

تجھ سے مل کر زندگی مقصود مہر و ماہ تھی
تجھ سے کٹ کر در بدر بے آبرو ہونے لگی

راغب مراد آبادی نے غالب کے ایک مصرع کی تضمین یوں کی تھی:

جو سب سے محترم بعد خدا ہے
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا ہے

اور جناب کشفی اس پر اس انداز سے تبصرہ کرتے ہیں کہ توحید کی رفعتیں اور رسالت ﷺ کی

عظمتیں اپنی تہیں کھولتی چلی جاتی ہیں وہ لکھتے ہیں ...... غالبؔ کا یہ شعر بہت خوب صورت ہے لیکن راغب صاحب کی تضمین پڑھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غالبؔ کا دوسرا مصرع سو سال سے زیادہ عرصے سے اس مصرع کا منتظر تھا۔ غالبؔ نے وحدت الوجود کی بات کی تھی۔ ذات رب میں فنا ہوکر مقام بقا پر پہنچنا، مقصود حیات ہوسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ہماری پہچان اور تشخص کا سوال ہے اس کا رشتہ حضورﷺ سے ہے۔(۸)

اور حضورﷺ خدا کے بھیجے ہوئے وہ آخری رسول تھے جن پر تمام دنیاوی اور اخروی نعمتیں تمام ہوگئیں تھیں اور ان ﷺ جیسا نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں...... اور وہ آخری آدمی، انسان کی تقدیر ہی نہ تھا بلکہ فرش نشیں ہوتے ہوئے ، عرش کی توقیر بھی تھا اور ...... اب خدا کے اس آخری رسولﷺ کا عہد ہے جس کا دامن روز حشر سے بندھا ہوا ہے۔ وہ جو برزخ کبریٰ ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان۔ وہ جو عرش و فرش کے درمیان وسیلہ ہے۔ محمدﷺ انسان کی تقدیر کا دوسرا نام ہے اور ان کا لایا ہوا دین۔ تقدیر کائنات ہے وہ جو انسان کی تقدیر ہے، جسﷺ کی رسالت پایان وقت تک پھیلی ہوئی ہے، اس کے معجزے بھی ماضی کا حصہ نہیں ہوسکتے۔ حضورﷺ کے دو جاوداں معجزے ہیں۔ قرآن حکیم اور اسوۂ حسنہﷺ۔

لیکن ارباب نظر کے نزدیک حضورﷺ کے دوسرے معجزات بھی ابدیت آثار ہیں نبی اکرمﷺ کا کوئی معجزہ اور زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوسکتا جس کا رشتہ اور علاقہ عالمِ انسانیت سے نہ ہو۔(۹)

جناب کشفی نے مقام رسالت مآبﷺ کو اپنی تحریروں میں، جابجا سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ بالکل درست فرماتے ہیں کہ اسی نام اور اسی ذکر نے ازل کو ابد سے ملا رکھا ہے۔ ہر دنیاوی سعادت اور ہر اخروی سرخروئی اسی چوکھٹ سے وابستہ ہے، جہاں بھی اُجالا ہے وہ اسی سراج منیر کا فیض ہے اور جہاں بھی اندھیرا ہے وہ اسی نور کو آواز دے رہا ہے...... دین و دنیا۔ یہ بھی تو دو کرے ہیں آپ کسی بھی انتہا پر پہنچ جائیں۔ ازل سے ابد تک کا سفر کرلیں، دونوں انتہاؤں کا توازن وجود محمد عربیﷺ کا صدقہ نظر آئے گا۔ قرآن حضورﷺ کی صداقت کا ابدی معجزہ ہے۔ لیکن ذاتِ رسولِ عربیﷺ خدا کی بے نشانی کا نشاں اور اس کے ہونے کی دلیل ہے۔(۱۰)

اقبالؒ کے درج ذیل خوب صورت اشعار کے اثرات جناب کشفی کی تحریروں میں جابجا ملتے ہیں:

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نور مصطفیٰ اُورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ست

اور ان کا یہ جملہ نثری نعت ہی تو ہے کہ ''کائنات کی ہر بہار سامانی نور مصطفیٰ ﷺ کا پرتو جمیل ہے اور بہار سامانی کے ہر امکان کے پیچھے اسی نام کا عکس ہے''(۱۱) اقبالؒ دورِحاضر کا ایک عظیم مسلمان تھا۔ حضور ﷺ کے تعلق خاطر نے اسے بالا بلند کردیا تھا اور اسی محبت نے اسے بلال مشرق اور کلیم ایشیا بنادیا تھا۔ جناب کشفی کے الفاظ میں ''حضور ﷺ کی ذات اقبالؒ کے لیے سب سے بڑا حوالہ، نقطۂ تناظر اورمحلِ تناظر ہے۔ وہ ختمی مرتبت ﷺ کے حوالے سے زندگی کو دیکھتے ہیں اور زندگی کے احوال، اطراف و جوانب کا جائزہ لیتے ہوئے انھیں اس ذات اقدس و اکمل کی گیرائی و وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس دنیا میں جہاں کہیں جہان رنگ و بونظر آئے جس کی زمین سے آرزو اور تمناؤں کے ہزار رنگ پھول اُگ رہے ہوں۔ اس جہان رنگ و بو میں حضور ﷺ کا نور نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں نور ہے، آرزو ہے، رنگ و بو ہے۔ وہاں ہرشے، ہر وجود تلاش مصطفیٰ ﷺ میں مصروف نظر آتا ہے۔''(۱۲)

اب ان کے مجموعۂ نعت ''نسبت'' کے آئینے میں اسی خیال کو شعری پیرہن میں دیکھیے:

دیارِ شرق سے لے کر دیارِ مغرب تک
یہ مشت خاک تری جستجو میں زندہ ہے
ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں لیکن
اک اسم محمد ﷺ تو اجالے کے لیے ہے

☆

رحمتہ للعالمین ﷺ کے نور سے رخشندہ ہو
ایسا انداز نظر سب سے جدا ہم کو ملے

☆

غبار تشنہ لبی میں نگاہ امت کو
اسی کی ذات کا دریا دکھائی دیتا ہے
جہاں میں ذات محمد ﷺ میں سینکڑوں جلوے
نگاہ شوق کو کیا کیا دکھائی دیتا ہے

لولاک لما، ایک حقیقت کا ہے اظہار
ہے نقش جہاں پرتو تابان محمد ﷺ

☆

فصل خزاں میں احمد مختار ﷺ سے بہار
وہ رنگ اور نمود کا اک دائرہ بھی ہے
کردار جس کا حشر کے دن تک مثال ہے
قائم رہے فضا میں وہ ایسی صدا بھی ہے
معراج جس کی آدم خاکی کا ہو عروج
اس کے سوا جہاں میں کوئی دوسرا بھی ہے؟
نام اس کا لب کے واسطے اک موج سلسبیل
پیشانی نظر کے لیے نقش پا بھی ہے

حضور ﷺ کی رسالت خودشناسی سے لے کر خدا شناسی تک کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ویسا کامل ذریعہ کسی بھی فکری، مذہبی اور دنیاوی نظام کے پاس نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے نقوش پا تک پہنچ جانے کا نام ہی انسانی معراج ہے...... انسان کے لفظ کا مادہ ا۔ن۔س ہے اور اس مادہ کے مفاہیم میں مشاہدہ، دیکھنا اور احساس کرنا شامل ہے۔ انسان نے اس خاکداں میں آکر آنکھ کھولی اور زمین و آسمان کے مشاہدے کو تعمیر حیات و ذات کا وسیلہ بنا لیا۔ اس نے زمین کو دیکھا، فلک کو دیکھا، مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھا اور یوں پہلے اپنے آپ کو پہچانا، اپنے خالق کو پہچانا، اس مادہ کے معنی میں یقین، ادراک اور معرفت کے مفاہیم بھی شامل ہیں۔ ان مفاہیم کو سامنے رکھیے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ختم المرسلین ﷺ، فخر دو عالم ﷺ کے ظہور کے واسطے اور وسیلے سے آدمی نے اپنے آپ کو پہچانا، وہی اس کارگہ شیشہ گری کی تخلیق اور ایجاد کا سبب تھے۔ وہ انسانیت کا نقطۂ معراج اور عبد و معبود کے درمیان وصل کی علامت تھے، مشاہدہ انفس و آفاق، احساس کی انتہائی نزاکت اور دیکھنے کا کمال ان ﷺ کی ذات سے مجتمع ہوگیا تھا اور اسی لیے آدمی، انسان اور اس کے کمالات اور امکانات پر غور کرنے والا ہر شخص اسی بارگہ مصطفوی ﷺ میں پہنچ جاتا ہے۔(۱۳) حق یہ ہے کہ...... سرورِ کائنات ﷺ کی نظر کیمیا اثر سے آدمی کردار اور اعمال کے اعتبار سے یکسر بدل جاتا ہے رات، دن کی چادر اوڑھ لیتی، وحشت، انس اور شائستگی میں بدل جاتی ہے۔ سیرت سازی قرآن حکیم کا موضوع اور نبی اکرم ﷺ کے راستے اور سنت کا حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج

بھی تذکارِ محمد ﷺ سے آدمی کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔(۱۴) اب حضور ﷺ کی اعجاز آفرین شخصیت اور انقلاب آفرین سیرت کی ایک جھلک جناب کشفی کی نعتوں کے آئینے میں دیکھیے کہ بعض اوقات جو بات نثر کے کئی صفحے واضح نہیں کر پاتے اسے کسی شعر کے دو مصرعے آئینہ کرجاتے ہیں، بہ قولِ ورڈز ورتھ ''شاعری تمام علم انسانی کی جان اور اس کی لطیف ترین روح ہے۔''

امکان مرے تیری نبوت کی گواہی
تو مطلعِ امکان بشر، سیّد عالم ﷺ

☆

نام سے ان کے بدل جاتا ہے انسان کا وجود
رب کعبہ کا کرم ان کی عطا میں شامل

☆

تاریخ کے ایواں میں اُجالا ہوا جس سے
وہ زندہ و پائندہ نوا سب کے لیے ہے

☆

اک اسم محمد ﷺ کے سوا لوح ابد پر
دیوار و دربار حرم کچھ نہیں لکھتے

☆

کس نام سے ملتی ہے شفا اہل جہاں کو
کونین کو یہ حرف دعا کس سے ملا ہے

☆

انسان کی وحدت ہے محمد ﷺ کا کرشمہ
اس بزم میں تفریق عرب ہے نہ عجم ہے

☆

آپ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکار ﷺ میں ہر دور کی زندہ فرہنگ

☆

ہر اک لفظ کے معنی سے اک جہاں پیدا
تری نوا سے ہوا حرف جاوداں پیدا
یہ اہل سیف و قلم، صاحبان جود و عطا
نقوش پا سے ہوئے کتنے کارواں پیدا

☆

ہر مطلعِ انوار اسی نام سے روشن
خورشید کو خیرات ملی اس کی جبیں سے
ہاں اسمِ محمد ﷺ ہے میرے نطق کی توقیر
الفاظ کو مفہوم ملا سرور دیں سے

☆

سرکار ﷺ دوعالم کی بصیرت کا ہے صدقہ
ہر سلسلۂ فکر و نظر زندہ ہے ہم سے
تاریخ، محمد ﷺ کا نشانِ کف پا ہے
انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے

دُنیا و آخرت کی ہر معراج، ہر حسن اور ہر توقیر، نام مصطفیٰ ﷺ کو لبوں پر سجانے اور مقام مصطفیٰ ﷺ کو دلوں میں بسانے سے عبارت ہے۔ تعلق کی استواری ہی سے محبت، شاداب رہ کر، غنچہ سے گل اور گل سے گلزار بنتی ہے ...... ہم سب شجر محمدی ﷺ کے برگ و بار ہیں اور اسی شجر سے وابستگی ہمارے قیام و بقا کی تدبیر ہے۔(۱۵) ہم حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، یہ درود بھی دراصل دعا ہے جو ہم فی الحقیقت اپنے لیے کرتے ہیں کہ اس خزانۂ رحمت پر جتنی زیادہ رحمت نازل ہوگی ہم ''عالمین'' پر اتنی ہی زیادہ تقسیم ہوگی کہ وہ ﷺ کل بھی رحمت تھے اور آج بھی ہیں اور آنے والے ہر دور کے لیے بھی ان ﷺ کی رحمتہ للعالمینی ہم عاصیوں کی واحد آس ہے...... حضور ﷺ کی محبت آدمی کے مرتبوں کو بلندکرتی ہے۔ ان کے لیے مقام محمود کی دعا (بھی) ہمارے لیے اس بلندی سے قربت کا سبب بنے گی کیوں کہ مقام محمود تو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے ہے۔ یہ دعا تو ہمارے لیے ترفع کا ایک وسیلہ ہے۔(۱۶)

اب بغیر کسی ترتیب کے مقام رسالت مآب ﷺ کے بارے میں جناب کشفی کے قلم سے نکلے ہوئے کچھ نثر پارے دیکھتے جایئے کہ موتی بکھرے بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

☆حضور ﷺ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں اور خیرالقرون میں پیدا کیا گیا اور آپ کا قرن، آپ کا قرن ہے اور یہ قرن ہمیشہ ہمیشہ قرن محمد ﷺ کے طور پر تاریخ انسانی کے سر پر درخشاں تاج کی طرح چمکتا رہے گا☆ احمد ﷺ اور محمد ﷺ یہ دونوں نام ایک دوسرے کا ضمیمہ ہیں۔ یہ کائنات اور اہلِ ایمان محمد ﷺ کی ستائش میں مصروف ہیں اور حضور ﷺ کا وجود پاک اللہ تعالیٰ کی حمد میں مصروف تھا۔ محمد ﷺ کے معانی میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جس کے بے شمار فضیلتیں حمد و ستائش کی سزاوار ہوں☆ آپ ﷺ نبی توبہ تھے آپ ﷺ کو جنھوں نے دیکھا جنھیں قرب کی سعادت نصیب ہوئی وہ ان راستوں سے پلٹ آئے جو گمراہی کے راستے تھے☆ ہمارے برے اعمال کا خسران آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر لوٹ آنے سے سعادت و توفیق میں بدل جاتا ہے ☆ مومن تو آپ ﷺ کے لیے سب کچھ تھے ہی، آپ ﷺ تو کفار کی بھلائی اور ہدایت کی دعاؤں اور تمنا میں اپنی راتیں یوں کاٹ دیتے کہ کائنات کے دل کی دھڑکنوں میں بھی اضطراب پیدا ہوجاتا☆ حضور ﷺ محض اپنی جماعت کی کثرت کی وجہ سے ''سید'' نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات توقیر و سعادت اور جلالت و سیادت کا منبع ہے اور انھی عناصر سے آپ ﷺ کا خمیر گوندھا گیا۔ پھر ''سید ولد آدم'' میں تمام زمانوں کے انسان سمٹ آئے ہیں اور ہر دور کے انسانوں کا سردار وہی ہوسکتا ہے جو وجہ تخلیق عالم ہو☆ آپ ﷺ تو انسان کی قبائے ذات کو اپنے رب کی صفات کے رنگوں میں رنگنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کا مقصد ہی زمین کو توازن، اعتدال، امن و امان، نور اور عدل کا گہوارہ بنا دینا تھا اور جو فساد بروبحر پر پھیل گیا تھا۔ اس سے نجات دلانا تھا☆ حضور ﷺ کی نبوت وحدت آدم کی دلیل بھی ہے اور اعلان بھی☆ نبی آخرالزمان ﷺ کے مواجہ شریف میں آج بھی بے حد پست آواز میں سلام پیش کرنا چاہیے۔ یہاں جنبش لب کا آہنگ بھی برقرار رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ یہی وہ مقام فلک رفعت ہے جس کے بارے میں کہا گیا:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہاں اہل ایمان کو فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کے انداز پرواز میں بھی ادب کے قرینے نظر آتے ہیں اور فضا بھی سانس روکے ہوئے دست بستہ کھڑی دکھائی دیتی ہے☆ جو صاحبان عقل ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مؤجہ صبا کے لہجے میں لب کشا ہوتے ہیں ☆ حضور ﷺ کا احترام آدمی کے تقویٰ کا پیمانہ ہے☆ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوجاتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا

نظام قائم ہے☆ آپ ﷺ کی صفات کی تکرار ہمیں البقرہ سے قرآن حکیم کے آخر تک ملتی ہے اور سیاق و سباق بدلنے سے یہ تکرار نئے نئے پہلوؤں اور مطالب کو سمیٹ کر ایک جہان نو کی تخلیق کرتی ہے☆ اللہ کے احکام کی تقلید اور نبی ﷺ کے اتباع سے یہی دنیا جنت کا دیباچہ بن جاتی ہے☆نذیر میں بشیر کا پہلو بھی موجود ہے۔ نذیر اپنی محبت و شفقت کی بنیاد پر لوگوں کو ان کے غلط طرزِ حیات سے ڈراتا ہے☆ ان ﷺ کی زندگی کے ہر لمحے اور پہلو کو ایک معجزہ بنا دیا گیا، ایسا معجزہ جو رواں دواں ہے اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک پہنچتا ہے۔ زیادہ درخشاں اور تاب ناک ہوکر، جنت اسی دنیا کا تسلسل اور اسی زندگی کا تکملہ ہے☆رسول اللہ ﷺ عادل ترین انسان تھے اس لیے وہ شہادت کی مثالی پیکر ہیں۔ قرآن مجید کتاب عدل ہے جو انسانی معاشرے کو ہر فساد، ہر ناہمواری، ہر ظلم سے بچاتی ہے مسلمان اگر عدل اور اعتدال کی روش کو چھوڑ دے تو وہ انسانوں پر شاہد نہیں رہے گا اور نبی اکرم ﷺ کے قلب اطہر کے لیے غم، دکھ اور جراحت کا سبب بنے گا☆ جس کا قلب حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی سے جتنا روشن ہوگا۔ اسی درجہ وہ معتبر ہوگا۔(۱۷)

دورِ حاضر کے ''باتخلص نعت ساز'' اگر قرآن و حدیث اور کتب سیرت کے غائر مطالعے سے بے توفیق ہیں ۔ اگر صحابہ کرام کا نعتیہ آہنگ بھی ان کے سامنے نہیں اور اگر صلحائے اُمت کے رنگِ نعت گوئی تک بھی ان کی رسائی نہیں تو وہ کم از کم درج بالا اقتباسات پر غور فرمائیں بلکہ بار بار غور فرمائیں، روئے رسول ﷺ اور خوئے رسول ﷺ کی روشنی میں اپنے ظاہر و باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کی طرف مخلصانہ توجہ فرمائیں اور اللہ پاک سے توصیف و مدحت خیر البشر ﷺ کی دعا مانگیں، توفیق ارزانی ہو اور روح القدس کی تائید شریکِ خامہ محسوس ہو تو قلم اٹھائیں، ورنہ سکوت ہی کو تکلم بلیغ سمجھیں:

ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جو آرزو
اب تو یہی زباں مرے مدعا کی ہے

آخر آج کتنے ہیں جن کے دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور نگاہوں کی تمنائیں، نعت سرائی سے پہلے، یوں قلم کی نوک پر لو دیتی ہیں کہ:

ذکر اس نورِ مجسم ﷺ کا ہے کرنا مقصود
مالک لوح و قلم تو مرے لفظوں کا اجال

☆

قلم خوش بو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یا رب کہ میں نعت نبیؐ لکھوں

اب ثنائے رسول ﷺ کے بارے میں جناب کشفی کے بکھرے ہوئے خیالات کو اور جا بجا دی گئی ہدایات کو ایک انشائی ترتیب کے ساتھ یک جا کرنے کی سعی کررہا ہوں ان کی بکھری ہوئی عالمانہ اور عارفانہ تحریروں میں، بارگاہ ناز کے راز بھی ہیں اور نوائے سوز و ساز بھی، تمناؤں کے خاکے بھی ہیں اور شعر و ادب کے سلسلے بھی، الغرض:

کچھ حقائق، کچھ معارف، کچھ لطائف، کچھ نکات
اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے تاروں کی برات

ان جیسا ذوق نگارش اور طرز بدیع، اس دور کم سواد میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ ان کا قلم ندرت افکار کے جوہر دکھاتا اور دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا چلا جاتا ہے۔ ان کی تحریریں پڑھ کر فی الواقع روح مہکتی اور درد چھلکتا ہے۔ ان کے الفاظ کا جمال اور مطالب کا جلال براہِ راست روح کے تاروں کو چھیڑتا ہے اور یہ تأثر نتیجہ ہے اطاعتِ رسول ﷺ کے گرد گھومتی ہوئی محبت کا۔ جناب حفیظ تائب کا یہ شعر میرے خیال کا مؤید ہے:

تعجب کیا جو میرے لفظ لو دینے لگیں
خیالوں میں ہمیشہ گنبدِ اخضر چمکتا ہے

حسن کہیں بھی ہو، کسی رنگ اور آہنگ میں ہو وہ تحسین کا مستحق ہے اور یہ تحسین بہر نوع حسن آفریں تک پہنچتی ہے۔ رسول پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس و اجمل اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین اور حسین ترین شاہکار ہے۔ ایک بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد تفضیل و مبالغے کا ہر صیغہ انھی ﷺ کے لیے ہے، انھی ﷺ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور انھی ﷺ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، وہ اٹھتے تھے تو پہاڑ سربلندی پاتے تھے، وہ بیٹھتے تھے تو ستارے، فرش بن جاتے تھے وہ مسکراتے تھے تو چمنستان کونین کی کلیاں چٹک اُٹھتی تھیں، وہ بولتے تھے تو فضائیں عنبرین ہوجاتی تھیں، وہ پرواز کرتے تھے تو کائنات تھم جاتی تھی، وہ چلتے تھے تو خوش بو بکھر جاتی، راستے جھوم اٹھتے اور تاریخ انسانی مرتب ہوتی چلی جاتی تھی، نتیجہ معلوم کہ وہ ذات بلند و برتر بھی اس کی توصیف میں مصروف رہتی ہے جس تک خود ہر تعریف پہنچتی ہے کسی جمیل و جلیل شاہ کار کو دیکھ کر بے ساختہ حرف تحسین کا زبان پر آجانا اور جذبۂ تحسین کا دل میں اُبھرنا، حمد ہے، جب کہ حضور ﷺ محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہیں اور مقامِ محمود پر فائز، اس اعتبار سے آپ ﷺ کا مقام بھی وجہ حمد و ستائش ہے اور آپ ﷺ کی ذات بھی وجہ حمد

اور مستحق ستائش گویا آپ ﷺ نے اپنے خالق کی ستائش کا بھی حق ادا کردیا اور آپ ﷺ کی ستائش بحکم خالق جاری و ساری ہے، یوں آپ ﷺ سزا وار حمد ہیں۔ لیکن اسی ذاتِ پاک ﷺ نے ہمیں یہی پہلا سبق دیا کہ خالق کے برابر مخلوق کو کسی اعتبار سے بھی لے آنا، توہین کی وہ نوعیت ہے جسے شرک کہتے ہیں۔ اور یہی ظلمِ عظیم ہے۔ چنانچہ ہمیں مجبوراً اور احتراماً تعریف و توصیف کی درجہ بندی کرنا پڑی کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کی، جو بے حد و بے حساب اور وسیع و بیکراں نوعیت کی ہوگی، نعت، صرف محمد ﷺ کی جس کی حد بندی ہے کہ کہیں یہ لامحدود ہوکر، حمد نہ بن جائے اور احد اور احمد کا فرق باقی نہ رہے۔ پھر منقبت ہر اس بابرکت وجود کے لیے جو علم و عمل، خبر و نظر اور گفتار و رفتار کے اعتبار سے سنت رسول ﷺ کا عکس بننے کی مخلصانہ سعی کرتا ہو۔ نعت اور حمد کے باہمی تعلق کو جناب کشفی ایک مقام پر یوں واضح کرتے ہیں...... نبی کریم ﷺ کی معرفت تصوف اور تزکیۂ نفس کا پہلا مرحلہ بھی ہے اور آخری بھی، مقام محمدی ﷺ کی طرف سفر کرنے والوں کو نفسِ مطمئنہ اور زبان حمد عطا کی جاتی ہے۔ حمد کی شایاں وہی ذات ہے جو حسن و تناسب کا آخری نقطہ ہو اور جس کی ذات کے ساتھ اس کی صفات بھی شاہکار جمال و توازن و تناسب ہوں۔ اللہ کی یہ صفات اس کارگہِ جمال و جلال میں ہرسُو منعکس ہیں۔ یوں حمد کی سزاوار ذات اپنا اظہار اس سطح پر کرتی ہے کہ اس کے اختیاری محاسن کی جھلکیاں ہمیں بے ساختہ حمد کرنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ اور اس عمل میں ہمارا سارا وجود شامل ہوتا ہے۔ حمد کے لیے لازم ہے کہ جس ذات کی حمد کی جارہی ہو اس کی صفات اور کمالات کا پوری طرح ادراک اور علم ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک و علم حضرت رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ گرامی کے طفیل ہمیں نصیب ہوا وہ رسول جو ''احمد'' تھا اور بے حد حمد کرنے کا عمل جس کا اسم صفاتی ٹھہرا، وہ رسول ﷺ جو ''محمد'' ﷺ تھا۔ اس نے اس درجہ اپنے منبع و مصدر کی حمد کی کہ خود ''وجہَ حمد و ستائش'' بن گیا۔ وہ رسول جو مقام محمود پر ابداً فائز ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ حزن و خوف اس کے جوار میں قدم نہیں رکھ سکتے اور یہی وہ مقام ہے جو دوسروں کے لیے باعث سکون و قرار بنتا ہے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پہنچ کر ذات رسالت مآب ﷺ ہمارے لیے حصار حفاظت بن گئی ہے۔(۱۸)

اب جناب کشفی کے دوشعر:

احمد ﷺ تھا اور خالق اکبر کا شاہکار
حامد ﷺ تھا اور حمد کو گہرائی دے گیا

☆

نغمۂ احمد ﷺ مرسل ہے مقدر اپنا
ہر صداقت ہے اسی ایک صدا میں شامل

جناب کشفی نے اپنے مختصر مگر انتہائی معتبر نعتیہ مجموعے ''نسبت'' کے حرفِ آغاز کے طور پر جو چند سطور لکھ دی ہیں۔ میرے خیال میں نعت کے بارے میں ان کی سوچ کا ہر زاویۂ فکر کا ہر انداز اور وجدان کا ہر رخ، ان میں سمٹ گیا ہے۔ یوں سمجھیے کہ وہ نثر میں تغزل کے ایمائی انداز کے ساتھ بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ ان کے خیال میں نعت، خدا کے بعد حضور ﷺ کو عزیز ترین سمجھ کر، ان ﷺ کے نقوش پا کی چاندنی سے قلب و نظر اور روز و شب کی ظلمتوں کو اجالے کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو عزیز ترین کہہ دینا جتنا آسان ہے اتنا دُشوار بھی ہے اور یہ دشواریاں نگہ ناز کے تلطف خاص ہی سے آسانیوں میں بدل سکتی ہیں۔ نعت قلمی حاضری کا نہیں بلکہ قلبی حضوری کا عکس جمیل ہے۔ اور حضوری دور رہ کر بھی قرب کے لمحے عطا کیا کرتی ہے اور غافل انسان نہ صاحب حضور ہوتے ہیں نہ صاحب سرور، وہ قریب رہ کر بھی دور ہوتے ہیں اور یاد رہے کہ سرور، حضوری ہی کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اور اگر ان لمحات سرور میں کائنات تھمی ہوئی سی، گردش ایام رکی ہوئی سی اور دل کی دھڑکنیں، پلکوں کی نمی میں ڈھلی ہوئی سی محسوس ہوں تو یہ بے سجدہ و قیام نوعیت کی ایک ایسی ''نماز نیاز'' ہے جس پر کئی نعتیہ دیوان رشک کرسکتے ہیں۔ نعت گوئی کی توفیق سراسر عطائے محبوب ہے۔ اپنا کوئی سا فخر بھی نہیں ہے۔ خیال کا گداز بھی، لفظوں کا حسن بھی، اظہار کا تقدس بھی، لرزتے لبوں کا سکوت بھی اور سرمژگاں کانپتے ہوئے ستارے بھی، بڑے ہی نصیب کی باتیں ہیں اور بڑے ہی کرم کے فیصلے ہیں:

التفات سیّد سادات کب محدود ہے
وسعت دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

گویا...... نعت گوئی، اپنی جان کی قیمت پر سرور دنیا و دین ﷺ کے جوار میں پہنچنے کا نام ہے ...... ہم اسی سفر میں مصروف ہیں اور منزل بہت دور ہے۔ نعت گوئی اپنے وجود کی سچائیوں کے ساتھ ان ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضری کا نام ہے۔ شاید حضوری کا یہ لحہ ہمیں حرف و صوت کی دنیا میں کبھی مل جائے، نعت گوئی مواجہ شریف میں قیام کے ان چند لمحوں کا نام ہے جو وقت گزراں کے تصور کو مٹا دیتے ہیں نعت گوئی اس انتظار کا نام ہے جس کا پورا مفہوم ہمیں نہیں معلوم، رحمت اور عطائے بے کراں کا انتظار، نعت دل زندہ کے ساتھ بیداری کی ساعت کا نام ہے:

نگاہے یا رسولؐ اللہ نگاہے (۱۹)

قلب و نظر اور جسم و جہاں کی ہم آہنگی کا یہی وہ قیمتی لمحہ ہے جب انسان خود کو بھول جاتا ہے اور ''کیا ہوں میں'' کی فرصت کاوش باقی نہیں رہتی۔ یوں حیات مستعار کا ہر غم، ایک ہی غم میں ضم ہوجاتا ہے اور آسودگیٔ خاطر کے لیے احوال شعری پیکر میں ڈھل کر شاعر کے ساتھ ساتھ قاری اور سامع کے لیے بھی نشاط روح کا سبب ہوجاتے ہیں۔ یوں نعت انفرادیت کے خول سے نکل کر اجتماعیت کے ایک وسیع تر دائرے میں آ کر سوز و درد کی نعمت بانٹتی چلی جاتی ہے گویا ...... نعت فرد کا نغمۂ تنہائی اور استغاثۂ شخصی بھی ہے اور ایک مسلم معاشرہ میں ایک اجتماعی سرگرمی اور تقریبوں کی اساس بھی۔(۲۰)

نعت،توصیف رسالت مآب ﷺ ہے، ضروری نہیں کہ یہ توصیف شعر ہی میں ہو۔ عربوں کے نزدیک شعر نام ہی کلام موزوں کا ہے۔ خوب صورت خیال کو دل آویز لفظوں میں ڈھلا ہوا ہونا چاہیے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ارفع خیال کو اجمل پیرایۂ اظہار فطری طور پر مل جاتا ہے۔ جناب انور جمال نے درست لکھا ہے کہ ''جذبے کی شدت لفظوں کو خود حسن ترتیب دے دیتی ہے۔ جذبہ فن کا پیش رو ہے، جذبے کی صداقت فن کی ارفعیت کو جنم دیتی ہے'' اور وہ یہ بات مدینہ کی بچیوں کے اس موزوں کلام سے اخذ کرتے ہیں جو ہجرت کے اختتام پر روئے رسول اکرم ﷺ کی اوّلین جھلک دیکھنے کی آرزو میں پڑھا جارہا تھا وہ حیران اس امر پر ہیں کہ ان معصوم بچیوں کو پہلے عروض و اوزان سکھائے گئے تھے، شعر رٹائے گئے تھے یا جذبے کی صداقت خود بخود موزونیت کی میزان میں تل گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات ہی کا حسن ہے جس کی بنا پر بعض موزوں نثری جملے سن کر شعر بھی شرما جاتے ہیں۔ بعض نثری تحریریں اس قدر سحر آفریں ہوتی ہیں کہ وہ قارئین کو ایسا شعری کیف دے جاتی ہیں کہ ذوقِ سلیم مدتوں مسحور لذت رہ سکتا ہے۔ چودھری افضل حق کی محبوب خدا ﷺ اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم ﷺ'' اور گئے گزرے دور میں مولانا ظفر علی خاں، آغا شورش کاشمیری اور جناب عامر عثمانی کی سیرت سے متعلق بعض تحریریں نثری نعتوں کی حیثیت رکھتی ہیں، گویا یہ جذبے ہی کی صداقت ہے جس کے سبب پیرایۂ اظہار کے یہ سبھی مناظر، احسن بن گئے ہیں، مولانا ابوالخیر کشفی نے ایک مقام پر شبلی نعمانی کے اس ایک صفحے کو جو ظہور قدسی سے متعلق ہے اور خواجہ حسن نظامی کی بعض تحریروں کو بہترین نعتیں قرار دیا ہے۔ گویا حضور ﷺ سے متعلق تحریریں جب ''عشق، خیال اور فن تینوں اجزا مل کر ایک وحدت کی صورت اختیار کر جائیں'' تو اسے ہم نعت ہی کے حسن سے تعبیر کریں گے۔ نعت ایک ایسی دل آویز اور دل نواز صنفِ سخن ہے جو خود خیال کو رعنائی، لفظ کو زیبائی اور انداز کو توانائی عطا کرتی ہے کیوں کہ اس کی اساس فرضی نہیں بلکہ اس حقیقی محبت پر استوار

ہے جس پر ایمان کا ایوان ایستادہ ہے اور ''یہی محبت، لفظوں میں ایک کیمیاوی تغیر برپا کرتی ہے کہ محبت اپنی کیمیا آپ ہے'' احسان و دانش کہاں یاد آگئے، کہتے ہیں:

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انساں کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

'نعت سازی' آسان ہے کہ ''باتخلص'' حضرات تلوار کی دھار پر ''بے خوف و خطر'' چلے جارہے ہیں، نعتیہ دیوانوں کے ڈھیر لگتے چلے جارہے ہیں کہ دور نعت کا ہے اس لیے نعتیں جو لکھنی چاہیئں مگر ''نعت گوئی'' کہیں مشکل امر ہے کہ اس میدان میں بڑے بڑے قادر الکلام عاجز نظر آتے ہیں، ماضی بعید میں بہت سے نفوس قدسیہ ایسے نظر آتے ہیں جو حب رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، مگر وہ چند ایک نعتوں سے آگے نہ جاسکے کہ کہیں کسی لفظ سے عمر بھر کی بنی، بگڑ نہ جائے، آج کتنے ہیں کہ نعت کہنے کی کوشش میں جن کی جبینوں پر پسینا چمکتا اور جن کے ہاتھوں میں قلم لرزتا ہے کون سمجھائے کہ ''حسرت نعت'' بھی ایک عظیم نعت ہوا کرتی ہے:

پہلے صلاحیت تو ہو پیدا مرے کردار میں!
نذرانہ لے کر نعت کا تب جاؤں اس دربار میں

......نعت گوئی اگر شمشیر کی دھار پر سفر ہے تو حضور ﷺ سے خطاب، حرف و بیان کے اس پل صراط سے گزرنا ہے جس کے نتیجے میں آنے والے پل صراط کے سفر کی کیفیت کا تعین ہوگا۔(۲۱)

جب تک نعت گو، اطاعت و حب رسول ﷺ کے سلسلے میں خود سپردگی اور بے خودی کی دنیا میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس کے فن میں تاثر نہیں آسکتا، مانیے کہ آج بیش تر نعتیں، نعت نمبروں میں محض شمولیت کی خاطر لکھی جا رہی ہیں، بعض اوقات طرحی نعتیہ مشاعروں میں سنانے کے لیے مجبوراً نعت کہی جارہی ہے، بیشتر نعتیں، برائے بیت لکھی جا رہی ہیں، صرف دنیاوی محفلوں میں سنانے کے لیے اور دنیا ہی سے ''واہ واہ'' سننے کے لیے، ایسی نعت مدتوں کے بعد وجود میں آتی ہے جو انھیں سنائی جاتی ہے، جن کے لیے لکھی جاتی ہے، تب دُنیا کو سنانے کی حاجت رہتی ہے نہ آرزو بلکہ اہل دل، خود وہ نعت سننے کے لیے بے چین ہوا کرتے ہیں۔ جب چاہنے والے خود کو محبوب کی چاہت میں گم کردیتا ہے تو اس کی پکار اور فریاد کا مخاطب محبوب ہی ہوا کرتا ہے۔ نعت یقیناً حضور ﷺ ہی کے لیے لکھی جاتی ہے مگر انھیں سنائی بھی جاتی یا نہیں؟ افسوس کہ بیشتر نعتیہ مجموعے اور ان کی تقاریبِ رونمائی محض شوکت نفس اور اہتزاز ذات کے مظاہرے ہیں یاد رہے کہ ''میں'' کی دنیا ہمیشہ ''تو'' سے محروم رہا کرتی ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ نعتیہ مشاعروں کی تصویر کشی ارادتاً کرائی جاتی اور چھپوائی جاتی

ہے جب کہ تصویر کو حضور ﷺ کی پسندیدگی کی سند حاصل نہیں کہی جاتی کہ اس سے مشاعروں کا تسلسل ٹوٹتا اور مجمع بکھرتا ہے (مستثنیات ہر مقام پر ہوتی ہیں مگر حکم ہمیشہ اکثریت پر لگا کرتا ہے) اس دور نعت گوئی میں کثرت نعت گوئی کی قباحتوں کو نقد و نظر کے کڑے پیمانوں کے ذریعے قابو میں رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ لازم ہے کہ ...... حضور ﷺ کی ذات کہ مہر درخشاں کے حضور میں نعت گو، اپنے آپ کو یوں رکھ دے کہ یہ قطرہ اپنا وجود کھو بیٹھے کہ یہی عشرت قطرہ ہے۔ اپنی ذات کو گم کیے بغیر نعت نہیں کہی جاسکتی۔ نعت کے سلسلے میں جن شعراء کے ہاں تعلّی نظر آتی ہے اپنے شاعرانہ مرتبہ کا اظہار نظر آتا ہے وہ میرے نزدیک کچھ ایسا محمود وقت نہیں ہوتا، زندگی جاوید اسی ہنگام اور لمحہ سے عبارت ہے جس لمحہ شاعر اور حضور ﷺ کے درمیان عبد اور آقا کا رشتہ ہو بلکہ غلام غلامان محمد ﷺ کا حلقۂ غلامی اپنی گردن میں ڈالنے کو جی چاہے۔(۲۲)

نعت گوئی ارادت و محبت ہی کا نہیں، شکر و سپاس کا بھی ایک شعری اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ اور ان کی تعلیمات کی شکل میں ہمیں دنیاوی اور اخروی زندگی کی سرخ روئی کے سلیقے اور قرینے عطا فرمائے۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی بعثت نہ ہوتی تو ہمارے جسم و جاں کا ہر لمحہ دھواں دھواں ہوتا۔ کیوں کہ وہی ایک محفل، تجلّی کی روشن سحر ہے اور وہیں سے نور و حضور کی کرنیں پھوٹتی ہیں، اس طرح نعت گوئی درود و سلام کی ایک نغماتی شکل بھی ہے اور ''نماز نیاز'' کی ایک دل آویز صورت بھی۔ صوری طور پر نعت ایک شعری سانچا ہے مگر معنوی اعتبار سے عبادت کا آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس کے لیے سچے ادراک اور گہرے عرفان کی ضرورت ہے۔ جناب محسن احسان کے الفاظ میں ''نعت میں نہ عبارت آرائی کام آتی ہے نہ مضمون آفرینی اور نہ ہی نری عقیدت اور تنہا وفور محبت، اس صنف میں کامیابی کی اوّلین شرط یہ ہے کہ محمد ﷺ کی ذات و صفات کا صحیح عرفان حاصل ہو۔ اس کی عظمت و رفعت کا گہرا نقش لوح دل پر ثبت ہو اور جو کچھ وہ کہے وہ کسی لمحے کی ترنگ یا خیال کی امنگ میں نہ کہے بلکہ اپنے تمام فکری سرمائے اور قلبی جذبات کے رنگ میں ڈوب کر، اعتراف عظمت اور شکرانۂ نعمت کے طور پر علم و عمل کی گواہی کے ساتھ کہے'' گویا ...... رسول پاک ﷺ مومنوں پر اللہ کا سب سے بڑا احسان ہیں۔ اس کے سوا کسی اور احسان کا قرآن حکیم میں تذکرہ نہیں ملتا۔ یوں نعت گوئی میں دراصل بندگی کا پہلو بھی ہے اور اظہار بھی۔ مومن اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی صورت میں ہمیں سلیقۂ زیست اور زندگی گزارنے کا سہارا عطا کردیا۔(۲۳)

نعت گوئی کی صلاحیت، اللہ تعالیٰ کی عطا اور نبی کریم ﷺ کی رضا پر منحصر ہے اور حق یہ ہے کہ یہ عطا اور یہ رضا فیض اور فیضان کے بے کراں سلسلے ہیں۔ فیض میں لبالب ہوکر بہہ نکلنے کا مفہوم پایا

جاتا ہے اور فیض مستحق تک بخوبی پہنچ جائے تو اسے ''فیضان'' کہتے ہیں جب کہ فیاضی سے مراد یہ ہے کہ دینے والا اتنا دے دے کہ دامن کی کوتاہی کا احساس شدید تر ہوجائے، گویالطف جمال کے منتہائے کمال پر پہنچ کر نوازنے کا دوسرا نام فیض اور فیضان ہے۔ حب رسول ﷺ اور توصیف رسول ﷺ اسی توفیق و نوازش کا دل آویز ثمر ہیں:

شعر و ادب بھی ، آہ و فغاں بھی ہے ان کا فیض
پیش حضور، اپنی متاع ہنر کریں

اگر قدح خوار کم ظرف ہے تو جام اس تک آیا ہی نہیں کرتا اور ساقی کا تلطف جسے نوازتا ہے وہ فی الواقع خاصان بارگاہ میں سے ہوتا ہے:

دہد حق عشق احمد بندگان چیدہ خود را
بہ خاصاں می دہدشہ، بادۂ نوشیدہ خود را

نعت گوئی، فن شعر کی معراج ہے ذوق شعر کو درست سمت کا مل جانا اور فکری صلاحیت کا صالحیت کا نصیب ہوجانا، خوبیٔ قسمت کی بات ہے اور جس دربار سے لطف و کرم کے یہ فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں ''غلط بخشی'' کا تصور بھی آدمی کو ایمان سے محروم کردیتا ہے۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کی وساطت سے جانا، مانا اور پہچانا، ہم نے نہ طور پر تجلّیوں کی بارش دیکھی، نہ نخل طور کو دمکتا پایا اور نہ کوہ سینا کو جھکتے اور گرتے دیکھا۔ بس ایک زبان صدق اظہار نے اس سب سے بڑی صداقت کا پتا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ﷺ کے حوالے کے بغیر ان ﷺ کے رب کی حمد، ایک بے روح لفظ کی حیثیت رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حوالے بغیر نعت، جناب کشفی کے نزدیک ''سیکولر نوعیت کی نعت'' ہے وہ ایک مقام پر اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں......

ہمارے عہد میں رسمی نعتوں کے علاوہ سیکولر نعتوں کا بھی فیشن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر رسول کریم ﷺ کی عظمتوں کی ''دریافت'' اور تذکرہ یہ ویسی ہی کوشش ہے جیسے مصوتہ VOWFI کے بغیر گفتگو کرنے کی کوشش، ایسے نعت گو، رسول پاک ﷺ کا ذکر بھی اسی طرح کرتے ہیں جیسے دوسرے رہنماؤں اور مصلحوں کا ذکر، یہ اس پیمان اور اسکیل سے بے خبر ہیں جس سے ہم رسول پاک ﷺ کی عظمت کا کسی قدر اندازہ کرسکتے ہیں کوئی بھی رسول بالعموم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام بالخصوص رب کائنات کا سب سے بڑا شاہ کار ہیں۔ یہ نظامِ شمسی، یہ کائنات کی پہنائیاں، یہ فضاؤں کی بے کرانیاں، یہ سب ہمارے رسول ﷺ کی عظمت ذات کے ایک گوشے میں سمٹ کر گم ہوجاتی ہیں۔ یہ وہ ذات ہے جو ہمارے لیے خالق نما بن جاتی ہے اور حمد میں نعت بھی سمٹ آتی ہے۔ سلسلۂ تخلیق کو

تو دور بینوں اور سائنسی تجربوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر خالق تک رسول ﷺ کے بغیر رسائی ممکن نہیں۔ حالاں کہ یہ خالق اپنی ہر تخلیق کے آئینے میں موجود ہے۔ حمد ان جذبات ستائش کا نام ہے جو کسی ایسے حسن اور تناسب کے ناپنے کا حوالہ بن سکے۔ ہم خدا کی ذات کا نظارہ تو نہیں کرسکتے کیوں کہ کوئی آنکھ اس حسن کو نہیں دیکھ سکتی مگر یہ ذات ہر حسن کا حوالہ بن جاتی ہے اور ایسا سب سے بڑا حوالہ محمد عربی ﷺ ہیں یہی وہ تصویر ہے جو ہمیں اس کے مصور کے بارے میں سب سے زیادہ علم عطا کرتی ہے حالاں کہ وہی مصور کائنات کے کینوس پر بے شمار رنگوں کی صورت میں موجود ہے مگر اس کی صفات کے رنگ جتنے اور جس حد تک سرکار ختمی مرتبت ﷺ میں موجود ہیں کہیں اور میں نظر نہیں آتے۔ پھر حمد کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ 'حسن' کی جو تعریف بیان کی جائے وہ تخمینی اور ظنی نہ ہو، بلکہ ہمیں اس کی صحت پر اعتماد اور یقین ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعریف ہم ایمان، یقین، اپنی وجدان اور بصیرت کی استوار بنیادوں پر کرتے ہیں، ہمیں جس طرح اللہ کے خالق کائنات ہونے پر یقین ہے اسی طرح اس بات پر بھی ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان سب سے مضبوط وسیلہ اور رشتہ ذاتِ محمد عربی ﷺ ہیں اور ان کی صفات میں کمال بھی ہے اور جامعیت بھی۔ وہ ذات حمد کے دائرے کے اندر آجاتی ہے جو حامد بھی ہے احمد بھی اور مقام محمود پر فائز بھی۔(۲۴) سیکولر نعتوں سے یاد آیا کہ گزشتہ دنو ں ایک ایسا نعت نمبر بھی نظر سے گزرا جس میں نعت گو حضرات کی ۱۵۰ کے لگ بھگ ایسی تصاویر ہیں جن کے چہروں سے واضح نظر آرہا ہے کہ انھیں ممدوح عظیم و جلیل کے چہرۂ مبارک سے کوئی سی نسبت بھی نہیں ہے اور تیرہ بے پردہ خواتین و مستورات کی تصاویر بھی ہیں، تصویر کو کسی نوع سے بھی خوشنودئ رسول ﷺ کی سند حاصل نہیں ہے۔ بے پردگی کے بارے میں احکامات واضح ہیں، تاریخی حقیقت ہے کہ ایک جنگ میں طے قبیلے کی ایک لڑکی اسیر ہوکر آئی تھی، وہ بے پردہ تھی، اس غیر مسلم بیٹی کو بے پردہ دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنی وہ مبارک روا جس کا ایک ایک تار ہزاروں رحمتوں اور برکتوں کا خزینہ تھا اس بے پردہ بیٹی کے چہرے پر تان دی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ خوب صورت شعر لکھا تھا:

ما ازاں خاتون طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں بے چادر یم

غور فرمایئے کہ ''نعت کے اس دور میں'' نعت نمبر کیا سے کیا رخ اختیار کر رہے ہیں؟ واضح رہے کہ جسے حضور ﷺ کے حسین چہرے سے محبت ہوگی وہ اپنے چہرے کو بھی اسی انداز سے آراستہ کرنے کی سعی کرے گا۔ سنت رسول ﷺ کو آئینہ سامنے رکھ کر، ہر صبح ذبح کرنا اور خود کو خوب صورت

سمجھنا، کس نوع کی توصیف رسول ﷺ ہے۔ اس ضمن میں نہ کوئی عذر ہے نہ کوئی دلیل، سوائے احساس ندامت اور اعتراف محرومی کے، اسلامی صورت بنا لینے سے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کی دنیا بھی اجال دیں۔ کہتے ہیں کہ چہرہ، دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں ''حضور ﷺ ہم سے محض خراج عقیدت نہیں، بلکہ خراج اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔'' اطاعت ہی عقیدت ہے۔ ان جملہ ہائے معترضہ کے لیے معذرت خواہ ہوں مگر کیا کیا جائے کہ ''عصری حقائق کی چھوٹ تو افکار وتحریر پر پڑا ہی کرتی ہے''۔

جناب کشفی کے نزدیک مقام عبدیت اور مقام رسالت مآب ﷺ سے عدم آگہی کا نتیجہ ہے کہ اکثر نعتوں میں مجازی محبوب کے کوچے کی طرح مدینہ منورہ کے پرنور گلی کوچوں کا ذکر کیا جاتا ہے لازم ہے کہ مدینہ منورہ کے وہ فضائل پیش نظر رہیں جنھیں خود حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ نعت گو حضرات مدینہ اور جنت کا تقابل بھی اس انداز سے کرتے ہیں جس سے جنت کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے اور ''جنت کا یہ استخفاف قرآن نا شناسی کا نتیجہ اور سستی جذباتیت ہے۔''

چوں کہ جناب کشفی حسن اتفاق سے خود نعت گو بھی ہیں اس لیے مبصر اور تذکرہ نگار کو ایک نظر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ خود اپنی نعتوں میں، مدینہ طیبہ کا ذکر کس پیرائے میں کرتے ہیں، آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

درکار نہیں مجھ کو کوئی سایۂ دیوار
طیبہ کی ہوا غم کے ازالے کے لیے ہے

☆

طیبہ کا سفر مرحلۂ خوف و رجا ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے مگر آنکھ تو نم ہے

☆

ہے کشادِ درِ دل سیّدِ والا ﷺ کی عطا
درد و احساس مدینے کی ہوا میں شامل
ماہ دو ہفتہ کئی رنگ لیے آیا ہے
رنگ فردوس مدینے کی ضیاء میں شامل

☆

جادۂ عشقِ محمد ﷺ کا تسلسل دیکھو
نہیں اس راہ میں یارو کوئی منزل، کوئی سنگ

آسمان گنبدِ خضریٰ سے فرو تر نکلا
یہ حقیقت ہے نہیں کوئی نظر کا نیرنگ

☆

ہم مدینے کی زمیں میں اس طرح مدفون ہوں
خاک پائے مصطفیٰ ﷺ، بس یہ صلہ ہم کو ملے

☆

وجود حضرت انساں کے ارتقاء کے لیے
ہُوا مدینے میں اک تازہ آسماں پیدا

☆

روشن ہے مرے خواب کی دنیا مرے آگے
تعبیر بنا گنبدِ خضریٰ مرے آگے
افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے
ہے خواب گہ شاہ ﷺ مدینہ مرے آگے

☆

ہے ماہ دو ہفتہ ترے کاشانے کی قندیل
ہے خاک بسر اوجِ ثریا ترے آگے
تھا درد کے دریا میں تلاطم ترے پیچھے
سمٹا ہے مرے درد کا دریا ترے آگے

☆

مدینہ شہر نہیں ہے، مری تمنا ہے
مدینہ ایک اشارہ ہے روشنی کی طرف
مدینہ ایک کنایہ ہے زندگی کے لیے
مدینہ صوت و صدا کے بغیر حسن کلام
مدینہ حسن سماعت کو اک پیام بھی ہے
مدینہ خستہ دلوں کے لیے سلام بھی ہے
مدینہ دولت بیدار آدمی کے لیے

مدینہ تابش و انوار، زندگی کے لیے
مدینہ ہوش کا پیغام بے خودی کے لیے
مدینہ راہ تمنا پر نقش آخر ہے
مدینہ فرش کی عظمت کا استعارہ ہے
مدینہ صاحب کوثر کا مستقر ٹھہرا
مدینہ مطلعِ امکان آدمی ٹھہرا

☆

آسماں خاک مدینہ کی سلامی کے لیے
مہ و خورشید کی کرنوں کو لیے آتا ہے
آسماں حد نظر، حد نظر

☆

میں ریاض نبی ﷺ میں بیٹھا ہوں
نقش جنت نما ہے آنکھوں میں
میرے چہرے پہ عکس ہے ان ﷺ کا
انؐ کا چہرہ چھپا ہے آنکھوں میں
یہ ہیں عثمانؓ دیکھ لو ان کو
کیسا رنگ حیا ہے آنکھوں میں
چشم کیفی میں گنبدِ خضریٰ
''دولت بے بہا ہے آنکھوں میں''
ان کے روضے کی جالیاں دل میں
ایسا نقشہ کھنچا ہے آنکھوں میں
ان کی امت کا فرد ہے کشفی
ایک اذن عطا ہے آنکھوں میں

علمی آگہی کے فقدان کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ نعتوں میں نبی کریم ﷺ کے معنی آفرین اسمائے مبارک کا ذکر بھی محض لفظی اور سطحی انداز سے کیا جارہا ہے اور بعض اوقات شعری اوزان کی مجبوریوں کے تحت، یہ بھی یاد رہے کہ آخری اور کامل ترین پیغمبر ﷺ کا گزشتہ انبیاء سے صفاتی تقابل خود

نبی کریم ﷺ کا استخفاف ہے اللہ تعالیٰ کی حقیقی رفعتوں اور حضور ﷺ کی حقیقی عظمتوں سے شناسا نہ ہونے کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے حضور ﷺ ہی کو روزِ جزا کا مالک و آقا قرار دیا جا رہا اور دلیل یہ ہے کہ مالک کا حبیب، مالک ہی ہوا کرتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کی تحقیر بھی اکثر نعتوں میں نظر آتی ہے...... ان امور سے بچنا ہی تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ حد سے تجاوز ہی عقیدت کو بدعت اور توصیف کو تنقیص بنا دیتا ہے۔ اگر ایک نعت گو، واقعیت کی انگلی تھام کر نہیں چلے گا، اور شاعری کی رو میں بہہ کر مبالغے کو عقیدت سمجھتا رہے گا تو اس کی حیثیت قرآن پاک میں مذکورہ شعراء کی سی ہوگی جو خود بھی گمراہ ہیں اور جن کے متبعین بھی گم کردہ منزل، آج کے نعت گو حضرات کو ان شاعروں کے طرز فکر کو سامنے رکھنا چاہیے، جن کو قرآن پاک نے بنظر تحسین دیکھا ہے۔

نشتریت اور ایمائیت شعر کی خصوصیات ہیں۔ لہجے کی کاٹ اور انداز کی شگفتگی کے دل میں ترازو ہونے کا دوسرا نام ''تغزل'' ہے۔ جو نثر میں بھی ہو سکتا ہے۔ فنی اعتبار سے نعت میں ''تغزل'' لازم ہے۔ جبکہ معنوی لحاظ سے سوز دروں کی آنچ ضروری ہے۔ یہ سوزِ دروں سنت رسول ﷺ کی پیروی اور مقام رسالت مآب ﷺ کی علمی آگہی سے عبارت ہے اسی اطاعت اور اسی آگہی سے علم و نظر کی دنیا جگمگا سکتی ہے اور یہی اُجالا جب قلم کی نوک پر لو دیتا ہے تو حرف حرف روشنی برساتا نظر آتا ہے...... آپ ﷺ کے مقام کو قرآن عظیم اور احادیث نبوی ﷺ کے مطالعے سے سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر افراط و تفریط کا وہی عالم رہے گا جو آج ہے۔(۲۵) جناب کشفی لکھتے لکھتے نعت کے بارے میں بعض ایسے خوب صورت جملے اور بلیغ تراکیب لکھ گئے ہیں جو بظاہر بے ساختہ ہیں مگر اپنے اندر مفہوم و مطالب کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں، ایک نظر دیکھنے سے قبل اقبال ساجد کا یہ شعر بھی گنگنا لیجیے کہ:

ترے عکسوں پہ گویا آج بھی ہے دسترس میری
یہ جب شیشے میں آتے ہیں مری تحریر بنتے ہیں

☆۔ نعت، نغمۂ نور ہے۔
☆۔ نعت، روح کا ترانہ ہے۔
☆۔ یہ روحانی تغزل ہے۔
☆۔ ایک ایسی جنبش لب ہے جس میں روح لفظوں میں ڈھل جاتی ہے اسی نسبت سے لفظ معتبر ہوجاتے ہیں۔

☆۔ شعر میں جذبے کی بیکرانی اور اس مرکز صدق و صفا سے شاعر کا تعلق ہی اس کی جہت متعین کرتا ہے۔

☆۔ نعت میں الفاظ ''خودبخود'' خوشبو اور روشنی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔

☆۔ نعت، شعر عقیدت ہے کہ عقیدت کا ہر موضوع اور کردار مرکز احدیت اور ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے ہم رشتہ ہے۔ یہ ذکرزبان و اسلوب کے اُن سارے قرینوں اور سلیقوں کا تقاضا کرتا ہے، جو ذہن، فن اور زبان پر انسانی دسترس کی آخری حدوں پر نظر آتے ہیں۔

☆۔ نعت ایک سیارہ اور شرار معنوی ہے۔

☆۔ ضروری ہے کہ غزل کی شوریدہ بیانی، نعت میں آداب عبارت کے قالب میں ڈھل جائے۔

☆۔ نعت ایک مستقل صنف سخن ہے، ہیئت کی بنیاد پر نہیں، موضوع کی بنیاد پر

☆۔ لفظ جذبے کے بغیر شعر نہیں بنتا، ہم وزن ہم جنس اور ہم قافیہ لفظوں کے جوڑنے کو شاعری نہیں کہتے......

اب نعتوں میں یہ طرز عام نظر آتی ہے مگر ایسی نعتوں میں جذبہ کی جھلک نہیں ملتی جو حضوری اور محبت کی نشان دہی کرے۔

☆۔ نعت ایک تجلی مسلسل ہے۔

☆۔ لفظ، حضور ﷺ کی خاک پا سے مس ہوکر آئینہ صفت اور قیمت میں ردکش لعل و جواہر ہوجاتے ہیں۔

☆۔ نعت کو تو سرورِ کائنات ﷺ اور شاعر کے رشتہ کی دستاویز ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی اپنے ایک مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' (نعت رنگ ۹) میں لکھتے ہیں ''نعت پر اپنے مضامین میں میں نے اکثر یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد و نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر تو شاعر کو خود بھی اس سفر کی خبر نہیں ہوتی، ایک بار حضرت احسان دانش نے اپنا یہ شعر سنایا:

ہوائیں ماری پھر رہی ہیں
ترا نقش کف پا ڈھونڈنے کو

شعر سن کر میں نے بے ساختہ کہا کہ ''نعت کا کیسا اچھا شعر ہے'' مرحوم نے فرمایا ''میں نے تو یہ شعر نعت میں نہیں کہا ہے'' میں نے عرض کیا کہ ''تخلیق ایک بے حد پیچیدہ اور طلسماتی عمل ہے ضروری نہیں کہ فنکار کو تخلیق کے ہنگام اپنے عمل کے تمام محرکات و عوامل کا علم اور شعور ہو۔ تخلیق میں

تو ہمارا پورا وجود شامل ہوتا ہے۔ شعور بھی، لاشعور بھی، یہی نہیں بلکہ ہمارا معاشرتی اور اجتماعی شعور بھی اس عمل میں شامل ہوتا ہے۔ پھر بات کا رخ کسی اور طرف مڑگیا۔ خاصی دیر کے بعد احسان دانش مرحوم چونکے میری طرف مڑے اور کہنے لگے ''تم نے ٹھیک ہی کہا تھا''۔

''اچھی غزل ایک اکائی اور وحدت ہوتی ہے آپ غالب کی کسی غزل کو لے لیجیے اور بات صرف غالب تک محدود نہیں ہے کسی بھی بڑے یا اچھے شاعر کی غزل کو لے لیجیے اور اس کے اشعار کی ترتیب بدل دیجیے یقیناً غزل کی وحدت متاثر ہوگی اور یہ اکائی ٹوٹ جائے گی یا مجروح ہوگی۔ پھر غزل کی اس گہرائی اور گرفت کو کیا نام دیا جائے کہ اس کا ہر شعر ایک اکائی اور وحدت ہے۔ غزل کے ایک شعر میں بڑے تجربے یوں سمٹ جاتے ہیں جس طرح آسمان، آنکھ کی پتلی میں سما جاتا ہے۔''

☆☆☆

''ہم غزل کے ان اشعار کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جن کا موضوع ہمارے خیال میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی مدح و ثنا ہے۔ خواہ شاعر کو شعر کہتے وقت یہ خیال بھی نہ آیا، ہو ہم عرض کرچکے ہیں کہ تخلیق شعر ایک بے حد پیچیدہ اور طلسماتی عمل ہے۔''

''فیض صاحب کی زندگی اور ان کی شاعرانہ لغت میں مذہب کے گہرے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے جیل کے ساتھیوں کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایام اسیری میں درس قرآن حکیم دیتے تھے پھر یہ روایت کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اپنے آبائی وطن گئے اور وہاں نماز کی امامت کی۔ ان کی شاعرانہ لغت اور امیجری میں بھی مذہب اور اس کی روایات بہت نمایاں ہیں۔'' شورش زنجیر بسم اللہ'' ''آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی'' ترا حسن دست عیسیٰ، تری یاد روئے مریم'' ایسے شاعر کے کلام میں مجھے کوئی نعت نظر نہ آئی اور پھر ہوا یوں کہ ٹیلی وژن کے ایک مذاکرے میں میں نے کہا کہ اردو کے ہر بڑے شاعر کے کلام میں ہمیں نعت نظر آتی ہے۔ شعراء اپنے دیوان یا کلیات کا آغاز حمد و نعت کے اشعار سے کرتے تھے۔ آج بھی یہ دستور قائم ہے لیکن عہد حاضر کے ایک بڑے اور اہم شاعر کے کلام میں ہمیں نعت کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ شاید یہ بات اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح کہی گئی تھی کہ سننے والوں کا ذہن فیض صاحب کی طرف منتقل ہوگیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بہن ہاجرہ مسرور نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں وقت پر پہنچ گیا فیض صاحب پہلے سے موجود تھے۔ دوسرے مہمان ابھی نہیں آئے تھے۔ میں نے فیض صاحب کو سلام کیا۔ انھو ں نے بے دلی سے جواب دیا یہ وہ فیض صاحب نہیں تھے جن سے میں واقف تھا کمرے میں ایک خاموشی طاری تھی۔ ذہن میں آیا کہ فیض صاحب ناراض ہیں دل کا چور زبان پر آ گیا۔ میں نے کہا ''فیض صاحب کیا با

ت ہے آپ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں'' فیض صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور پھر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہنے لگے کہ جس ذاتِ گرامی ﷺ کے حوالے سے آپ نے ٹیلی ویژن پر اپنے غصے یا دوسروں کی کوتاہی کا جس طرح اظہار کیا تھا، اس انداز کا اس ذات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ کسی گناہ گار یا خطا کار کے کانوں میں جو بات کہنی چاہیے اس کو دُنیا میں یوں پھیلانے کا خلق عظیم محمد ﷺ سے کیا تعلق ہے اور آپ تو ادب کے استاد ہیں کیا آپ نے طالب علموں کو اس بت ہزار شیوہ سے متعارف نہیں کراتے جسے غزل کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمدردی اور دل بیدار کے ساتھ میری غزلوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے اشعار مل جاتے اور اس مختصر گفتگو کے بعد فیض صاحب نے اپنا یہ شعر پڑھا:

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اور شاید یہ فیض صاحب ہی کا فیضان نظر ہے کہ غزل کی ماہیت کا یہ پہلو مجھ پر روشن تر ہوگیا۔''

☆☆

''فیض صاحب کے نعتیہ شعر''ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک'' کے سلسلے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ''لفظوں کو ایسی لسانی فضا عطا کی گئی ہے کہ وہ حدود اور تنگیوں کو توڑ کر وسعتوں کی طرف پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔''

☆☆

فیض صاحب کے دو شعروں پر تو گفتگو آپ کے سامنے آچکی ہے اب چند اور شعر ملاحظہ کیجیے:

رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے

☆

یہ جفائے غم کا چارہ، وہ نجات دل کا عالم
ترا حسن دست عیسیٰ، تری یاد روئے مریم

☆

سیکھی یہیں مرے دل کافر نے بندگی
رب کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے

ارمان اکبر آبادی کے مجموعۂ نعت''سروش سدرہ'' کا پیش لفظ کشفی صاحب نے ''نسبت ارمان'' کے

عنوان سے تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں:

''غزل کی اشاریت اور ایمائیت تو ہر اس شعر کو نعت کے حدود میں شامل کردیتی ہے جو محدود سے سفر کرتے ہوئے لامحدود کو چھو لیتا ہے خواہ اس کا موضوع کچھ بھی ہو۔ میں یہ نکتہ اس سے پہلے بھی دوسری تحریروں میں بیان کرچکا ہوں۔ مثال کے طور پر غالب کا یہ شعر لیجیے:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے مری زبان کے لیے

آج اس شعر کو سن کر ہمارا ذہن صرف نبی ﷺ کی طرف منتقل ہوتا ہے تجمل حسین خاں کی طرف نہیں کیوں کہ یہ لباس شعر ان کی قامت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا''

☆☆

جناب کشفی غزل کے تیور شناس ہیں اور جسے اس ہزار شیوہ نازنین کی نگاہ نے اپنا آشنائے راز بنا لیا ہو وہ اپنی ''خوبیٔ قسمت'' پر بجا طور پر ناز کرسکتا ہے۔ حضرت ثاقب کان پوریؒ بروقت یاد آگئے۔ وہ غزل ہی سے یوں مخاطب ہیں:

تیری ان رعنائیوں کا اے جمال پردہ دار
ایک ثاقب ہے جو کچھ محرم اسرار ہے

اس سلسلے میں احقر کو اپنی علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کا کما حقہ اعتراف ہے، مگر میں جناب کشفی کے درج بالا اقتباسات کو پڑھتا بھی رہا اور سوچتا بھی۔ اس دوران میں غزل کے کئی شعر حاشیہ خیال پرستاروں کی طرح ابھرتے رہے اور مطالبہ کرتے رہے کہ ہمارا کیا قصور ہے، ہمیں بھی نعت میں شامل کرلیجیے گا کہ ہم بھی لامحدود کو چھو رہے ہیں، غزلیات، قصائد اور مناقب میں بے شمار ایسے اشعار مل سکتے ہیں جو موضوع اور ممدوح دونوں سے کہیں رفیع وعظیم ہیں۔ بلکہ بعض تو لامحدود سے آگے جاکر، حمد بھی قرار دیے جاسکتے ہیں یوں عام تعریف و توصیف کا ہر مبالغہ آمیز شعر، نعت بن سکتا ہے، میرے ذہن میں یہ بات بھی آتی رہی کہ نعت وہی ہے جسے تصور کی وحدت، خیال کے تقدس اور قلم کی پاکیزگی کے ساتھ کہا یا لکھا گیا ہو، جسے خود شاعر نے نعت کا نام دیا ہو (یہ الگ بات کہ نعتوں میں بہت سے شعر ایسے ہیں جو فکر و خیال اور اسلوب و ادا کی رفعتوں سے یکسر محروم ہیں اور اگر ان اشعار کو نعت کے عنوان سے الگ کردیا جائے تو وہ محض غزل کے چند شعر دکھائی دیتے ہیں)۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غزل ایک ہمہ جہت اور جاندار صنف سخن ہے۔ اس کی خوبی ہے کہ ''وہ جذبات کی سہیلی اور واردات کی ہمجولی ہے۔ وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو حسن میں بستی ہے وہ انسانی فطرت کی

خلقی افتاد کا ابدی اظہار ہے۔ یہ کہنا بھی سچ ہے کہ غزل تخیل کی وہ معراج ہے جو دیوانگی میں قیس و فرہاد اور فرزانگی میں میر و غالب کو عطا ہوتی ہے''۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ غزل کے اشعار، ذوق اور ظرف کے مطابق ہر قلم کار کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایک ناقد یا مضمون نگار نعت کے موضوع پر لکھتے لکھتے غزل کے کسی شعر کو محض تفہیم مطالب کے لیے سپرد قلم کردے تو موضوع کی چاندنی میں وہ شعر جگمگا تو جائے گا مگر اُسے نعت کا شعر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کتنے ہی غزل کے شعر ہیں جو ہم نعتیہ موضوعات پر لکھتے ہوئے استعمال کر جاتے ہیں اور لامحدود فضا میں پہنچے ہوئے کتنے ہی شعر ہیں جو دیار خدا و رسول ﷺ میں دل کو کیف اور روح کو سرخوشی کی ایک دنیا عطا کرتے ہیں۔ وہ ترجمان دل بے قرار تو یقیناً ہیں۔ مگر انھیں نعت کا شعر نہیں کہا جاسکتا۔ ایک طرف تو ہماری یہ آرزو ہے کہ نعت کو غزل کے مجازی رنگ ڈھنگ سے ہر قیمت پر بچایا جائے اور دوسری جانب یہ اصرار کہ ''تجمل حسین خاں'' نامی کسی دنیاوی شخصیت کی شان میں لکھے گئے ایک توصیفی شعر کو محض اس لیے نعت کا شعر سمجھ لیا جائے کہ دوسرے مصرعے میں نطق، زبان کے بوسے لے رہا ہے اگر یہی خیال دامن دل کھینچ رہا ہے تو کیوں نہ اسی خیال کے حامل، غالب ہی کے درج ذیل شعر کو اپنا لیا جائے کہ وہ کلیتًا نعت کا ہے:

تا نام مے و ساقی کوثر ﷺ بہ زباں رفت
صدرہ لبم از مہر بوسید زباں را

گو یہ خیال خاقانی سے مستعار ہے اور خاقانی کا متعلق شعر، آسی کی شرح کلامِ غالب میں، غالبًا موجود ہے اور ''نطق'' کے مقابلے میں ''لب'' کا لفظ کہیں واضح اور معنی آفرین ہے جبکہ لفظ ''مے'' بھی قابل غور ہے..... کہاں ''الفقرفخری'' کی عظمت و صولت اور کہاں فرخ آباد کا نواب کہ..... بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے:

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونینؐ و مدیح کے وجم را

اگر محدود سے لا محدود فضا میں داخل ہونے والے مبالغہ آمیز اشعار کو ہمارا ذوق، نعتیہ قرار دیا شروع کردے گا تو بہت سے شاعروں کو اپنی عاقبت کی خاطر کہنا پڑے گا کہ ''ہم نے اسے نعت کے لیے نہیں کہا، یہ محض آپ کے تصور کی رعنائی اور یکتائی ہے کہ خاک سے افلاک کی طرف پرواز کرنے والا ہر شعر، آپ کو گنبدِ خضریٰ کا طواف کرتا دکھائی دیتا ہے۔'' احقر کے خیال میں نعت کا وہ شعر جو محدود سے لا محدود کی جانب مصروف سفر نہیں، وہ نعت سے منسوب ہوتے ہوئے بھی نعت کا شعر نہیں ہے جبکہ غزل اور قصیدے کا وہ شعر جو عام نوعیت کی بشری خصوصیات سے بالا تر اور پاکیزہ تر ہے، جو

عقیدت آمیز مبالغے کی بنا پر لا محدود کی جانب مائل پرواز ہے۔ وہ بالیقین نعت کا شعر نہیں ہے، مگر اس پر نعت کا گماں سا گزرتا ہے اور حسرت ہوتی ہے کہ کاش شاعر اسے نعت کا بنا جاتا تو یہ شعر اس کے لیے توشۂ آخرت بن جاتا۔ دیکھنا پڑے گا کہ لکھنے والے نے کس ماحول میں، کس قلم سے، کس زبان سے اور کس کے لیے اپنے خیال کو مبالغہ آفرینی سے حسن و تأثر دینے کی سعی کی ہے۔ اس مبالغہ آفرینی کو حضورﷺ پر کیسے منطبق کریں گے جن کی توصیف کے لیے شرائط و حدود ہیں، زبان و قلم کو سوبار عطر و گلاب سے وضو کرانا پڑتا ہے۔ نگاہوں کو حیاء اور دل کو ضیاء عطا کرنے کی سچی سعی کرنا پڑتی ہے۔ پلکوں پر ستاروں کو سجانا اور آنکھ کی پتلیوں میں گنبد خضریٰ کا عکس ابھارنا پڑتا ہے۔ تب نعت ہوتی ہے ورنہ تو شخصی قصائد کے دفتر موجود ہیں اور ان کا ہر مبالغہ آفرین شعر، نعت ہو سکتا ہے، محدود سے لا محدود میں داخل ہونے والے اشعار میرے خیال میں آفاقی تو قرار دیے جاسکتے ہیں نعت کے نہیں۔نعت گوئی کے ضمن میں خود جناب کشفی اپنی ایک نعت میں کچھ شرائط یوں عائد کررہے ہیں:

ذہن کو اپنے سجا لوں تو ترا نام لکھوں
اپنے لمحوں کو اجالوں تو ترا نام لکھوں
شہر طیبہ میں گزاری ہوئی ہر ساعت کی
یاد کو دل میں بسا لوں تو ترا نام لکھوں
گنبد سبز کے سائے میں وہ صدیوں کا خرام
اس کی تصویر بنا لوں تو ترا نام لکھوں
روضۂ پاک کے نظارے کو نغمے کی طرح
روح کے ساز پہ گا لوں تو ترا نام لکھوں
میرے مولاؐ، تری کملی سے ابھرتا سورج
اس کو آئینہ بنا لوں تو ترا نام لکھوں
تیری برکت سے منور ہوئیں، جن کی آنکھیں
ان کے لہجے کو نبھا لوں تو ترا نام لکھوں
خواجۂ وسعت افلاک و زمیں تجھ پہ سلام
تیری لو دل میں بڑھا لوں تو ترا نام لکھوں

احقر نے اس ضمن میں اپنے ایک فاضل دوست (پروفیسر میاں محمد یعقوب) سے استفسار کیا، ان

کا جواب درج ذیل ہے:

جناب ابوالخیر کشفی کی علمیت اور نبی رحمت ﷺ سے ان کی محبت اور عقیدت ہر شک و ریب سے بالا ہے لیکن جب وہ فرماتے ہیں کہ ''شعر جب محدود سے لا محدود میں داخل ہوتا ہے تو نعت کا شعر ہوجاتا ہے'' تو تمام تر ادب و احترام اور تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کرنے کے باوجود اختلاف کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔

ہر وہ شعر جو محدود سے لا محدود میں داخل ہوتا ہے ''سحر'' تو ہوتا ہے نعت نہیں یا ہم اسے زماں و مکاں سے ماوریٰ آفاقی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ اردو، فارسی، عربی، ہندی اور دُنیا کی ہر زباں میں ایسے اشعار موجود ہوتے ہیں (اگرچہ کم کم) جو رنگ و نسل، حدود و ثغور، ملک و قوم اور زمانہ کی دست برد سے ماوریٰ ہوں۔ ہم ان اشعار کو ہر گز نعت کے اشعار نہیں کہہ سکتے۔ نعت کے اشعار صرف وہی ہوں گے جو عمداً ارادتاً اور ختمی مرتبت ﷺ پر ایمان اور محبت و عقیدت میں وارفتہ ہو کر کہے گئے ہوں۔

ہاں، اس بات کو اگر یوں کہا جائے کہ پست اور حضور ﷺ کی شان سے فروتر اشعار اگرچہ وہ ارادتاً نعت ہی میں کہے گئے ہوں انھیں ''نعت'' کے اشعار کے طور پر شمار نہیں کرنا چاہیے بلکہ نعت کے صرف انھی اشعار کو ''نعت کے اشعار'' کہنا چاہیے جو ''محدود سے لامحدود'' میں داخل ہوتے ہوئے دکھائی دیں۔ عامیانہ، سوقیانہ، مبتذل اور فرومایہ اشعار کو یہ شرف نہیں دیا جاسکتا تو بات زیادہ درست ہوگی۔''

میں سمجھتا ہوں کہ یہ جناب سیّد ابوالخیر کشفی کے اپنے احساس کی طہارت، فکر کی صالحیت اور سوچ کی عظمت ہے کہ انھیں ''میں'' نہیں، ''تو ہی تو'' دکھائی دیتا ہے، اور ہر آفاقی خیال، ان کے تصور کی رعنائی کو اسی ہالے میں لے جاتا ہے جہاں ظاہری اور باطنی حسن کے معیار کا ہر ضابطہ اپنے منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہوگیا ہے۔ وہ خود ایک مقام پر اپنے بارے میں لکھتے ہیں...... جہاں تک شاعری کا تعلق ہے، اچھے شعر اور مصرع مجھے نہ جانے کن دنیاؤں اور فضاؤں میں پہنچا دیتے ہیں۔ اچھی شاعری ایک چہار سمتی مکالمہ ہوتی ہے۔ شاعر کا مکالمہ اپنی ذات کے ساتھ، اس کائنات کے ساتھ اور دوسرے انسانوں کے ساتھ(۲۶) مسلمان شاعر کے سلسلے میں یوں کہنا چاہیے کہ اپنے رب اور اپنے رسول ﷺ کے ساتھ۔ جس طرح اقامت صلوٰۃ کا ذکر اکثر مقامات پر ایتائے زکواۃ کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ ہم ردیف ہیں۔ آدمی جب بھی محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے۔ اللہ کے تصور اور خیال سے ہم کنار ہوجاتا ہے، اسی سفر میں وہ جوار رحمتہ للعالمین ﷺ میں بھی پہنچ جاتا ہے۔

نگاہے یا رسول اللہ ﷺ نگاہے

اس کے سینے میں آہ اور آرزو ہے۔ یہ آرزو اور یہ تمنا بے ساختہ پیدا ہوتی ہے اور لامحدود کی طرف سفر، لامحدود میں اپنے محدود وجود کو گم کرنے کی آرزو اور یوں خود لامحدود ہونے کی تمنا، ہر حقیقی فن کار کی تمنا ہوتی ہے فکر اور فن کی دنیا میں عالم حقیقی اور عالم مجازی کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ وہ شعر جسے بہت سے صاحبان ''بازاری'' شعر قرار دیتے آئے ہیں، ذرا اس کے امکانات پر غور کیجیے:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

ہمارے اساتذہ یا بالخصوص ہائی اسکول کے اساتذہ تقریباً ہر شعر کے حقیقی اور مجازی معانی بتاتے تھے اور ہم لوگ زیر لب مسکراتے تھے۔ لیکن زندگی کا بڑا حصہ شعر و ادب کے ایوانوں میں گزارنے کے بعد ان کی حکمت اور نظر کا قائل ہونا پڑا ہے۔(۲۷)

جہاں تک نعت گوئی کا تعلق ہے ہم سب لکھتے بھی ہیں اور کہتے بھی کہ یہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے مگر (الا ماشاء اللہ) سمجھتے بہت کم ہیں کہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے کیا؟ اگر تیز دھار پر فی الواقع چلنا پڑتے تو رہرو کئی بار سوچے گا، خود کو جانچے گا، دھار کی تیزی کو دیکھے گا، تصور ہی تصور میں لڑکھڑائے گا کہ ایک واضح خوف اور ایک عیاں خطرہ پیش نظر ہے۔ یہی صورت نعت گوئی کی ہے۔ اگر نعت گو، توصیف کو حد سے بڑھا دے گا تو توہین ہوگی، شایان شان مدحت نہ کرسکے گا تو اعمال کا حسن مٹی ہوجائے گا اور مقام رسالت مآب ﷺ کیا ہے؟ کون سمجھے اور کون سمجھائے، ایک ذرہ، خورشید عالم تاب کی تابانیوں کے احاطے کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے؟ لاہور کا مست الست شاعر ساغر صدیقی عالم مدہوشی میں کس درجہ ہوش کی بات کر گیا ہے۔

''نعت میرے نزدیک تعریف رسالت ﷺ کا وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ زبان سے نہیں، پلکوں سے چنے جاتے ہیں۔ منصور و شمس سے مجھ تک یہ نعمت عظمیٰ کیسے پہنچی؟ چشمِ عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمد کے قطرہ ہائے خون اور شہباز کا نعرہ مستانہ ہی دے سکتے ہیں۔ میں نعت کہتے ہوئے اپنے جسم اور روح کو جہنم کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں۔''

بیدل تو مجھ جیسے غیر شاعر کو بھی حمد و نعت کا اندازہ یوں سکھا گیا ہے:

زلاف حمد و نعت اولیٰ ست برخاک ادب خفتن
سجودے می تواں کردن، درودے می توان گفتن

نماز، حمد کا شرعی انداز ہے، عید مجبور کا واحد سہارا اور عبد شکور کا واحد فخر ہے اور جب جبینوں

سے سجدوں کا نور چھن جائے گا تب نظام کائنات بھی تلپٹ ہوجائے گا۔ درود، نعت کی بہترین شکل اور عقیدت کا خوب صورت اظہار ہے اور یہی وہ پیمانہ ہے جو حضور ﷺ سے ہمارے تعلق خاطر کا پتا دیتا ہے۔ درود مصور حقیقی کے اس اجمل، احسن اور اکمل شاہ کار کی توصیف ہے جو رسالت مآب ﷺ کی شکل میں ہمیں عطا ہوا، چاہنے والا کسی شہ کارفن کی قیمت ادا نہ کرسکتا ہو تو اسے داد دینے کا فن سیکھ لینا چاہیے۔ داد کا فن آجائے تو اَن مول سے اَن مول شاہ کار بغیر قیمت کے بھی مل جایا کرتا ہے۔

اور جناب ڈاکٹر خورشید رضوی نعت گوئی کے بارے میں کیسی عارفانہ بات کہہ گئے ہیں:

شان ان ﷺ کی سوچئے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجایئے

''تلوار کی اس دھار پر چلنے'' کے لیے توحید و رسالت کا سچا شعور مطلوب ہے گویا...... ''قدموں کو توحید کی قوت اور جذبۂ عشقِ رسول ﷺ اس تلوار پر مستقیم اور سلامت رکھتا ہے''...... انسان ''صادق'' ﷺ کے نقوش پا کی چاندنی تک پہنچ جائے تو تمام صداقتیں، اس کی ذات اور اس کے کلمات کا نشان امتیاز بن جائیں گی اور سب سے بڑی صداقت کی معرفت بھی وہیں سے ملے گی، یہی عرفان مقصود سفر بھی ہے اور مقصود نظر بھی۔ یقین کا محور بھی اور ایمان کی منزل بھی۔ حضور ﷺ کی سچی عقیدت سے عقیدے کو بال و پر ملتے ہیں اور خاکی انسان کو زمین ہی پر معراج نصیب ہوجاتی ہے۔ تب انسان آیت الٰہی بن جاتا ہے اور اس کے ''علم کو جذبے کی زبان مل جاتی ہے'' اور یہ ادبی، علمی اور فکری ضیاء بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم عطاء بھی جب کہ نعت اس عطا کا شاعرانہ اظہار اور تحدیث نعمت کی ایک نغمانی شکل۔ المیہ یہ ہے کہ آج عقیدت کے دعوے تو ہیں مگر غیرت سے تہی ہیں۔ محبت کا ادعا تو ہے مگر اطاعت سے بے نیاز ہے۔ نہ سوئے گردوں، نالۂ شبگیر بھیجنے کا شعور، نہ رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرنے کا شعار، نہ نشاط آہ سحر، نہ وقار دست دعا اور 'ہجومِ عاشقاں' ہے کہ دور نعت گوئی کی شاعرانہ دوڑ میں شریک ہے۔ جگر ایسے ہی باتخلص حضرات کو ''کاریگران شعر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ نعت کہنے سے پہلے اپنا محاسبہ ضروری ہے لازم ہے کہ ...... مالک حرف و نوا سے تاب گویائی کی دعا کی جائے اور سرور اعظم ﷺ سے ہنر اور جمال فن کی بھیک مانگی جائے، یوں کشکول گدائی خزینہ اسلوب بن سکتا ہے۔(۲۸)

پروفیسر جعفر بلوچ کے الفاظ میں:

ادب شرط ہے، یہ سخن عامیانہ نہیں ہے
یہ ہے نعت کوئی غزل یا فسانہ نہیں ہے

قلم سر جھکاتا ہے اپنا در مصطفیٰ ﷺ پر
یہاں بات کوئی سخن گسترانہ نہیں ہے

المیہ یہ ہے کہ آج کے نعت گو احباب کی اکثریت غزل کے زور پر شعر کہہ رہی ہے۔ قرآن و حدیث سے نعت گوئی کے لیے نہ روشنی لے رہی ہے نہ رہنمائی، صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی کے تیور بھی ان کے سامنے نہیں۔ شمائل ترمذی کے مطالعے تک سے بھی وہ محروم ہیں اور خاصان بارگاہ کے اسلوب توصیف سے بھی وہ کم کم شناسا ہیں۔ مجھے یہ لکھنے کی اجازت دیجیے کہ صرف غزل کے مرجع کو بدل کر اور فقط ''دور نعت'' کے نعت گو شعراء میں شامل ہونے کے لیے نعت کہی جارہی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ بیشتر نعتیں ، شعری اعتبار سے قدماء ے بلند مگر گداز فکر کے لحاظ سے فروتر ہیں...... حضور ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہؓ کی شاعری کا عام انداز یہی ہے کہ وہ اسلام کی برکات اور عقائد کے فیوض کا رشتہ ذکر رسول اکرم ﷺ سے جوڑتے ہیں۔ میں آج بھی اس بات کا قائل ہوں کہ ہادیٔ برحق ﷺ کا کوئی مداح ان کے پیغام سے سرسری نہیں گزر سکتا۔ ہاں پیغام کے ساتھ پیغام بر کی ذات و صفات کو مرکز خیال بنانا لازم ہے، عالم انسانیت پر حضور ﷺ کے احسانات کا تذکرہ بھی اور اس جمال حیات افروز تک پہنچنے کی تمنا بھی ضروری ہے۔(۲۹)

بہ قول فیض :

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک
ہر حرف تمنا ترے قدموں کی صدا ہے

آج کل نعت گوئی زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہو رہی ہے۔نظم گو شعراء کے مقابلے میں غزل کہنے والوں کی کثرت بھی ہے دوسرے یہ ہیئت بوجوہ موزوں بھی ہے کہ غزل ایک جاندار صنف سخن ہے۔ وہ ققنس کی طرح اپنی ہی خاکستر سے بال و پر پیدا کرتی رہی ہے۔ اس کا حسن ہمیشہ ہی شاداب و شگفتہ رہا ہے اور حوادث زمانہ اسے کجلانے اور دُھندلانے میں ناکام رہے ہیں کہ یہ ادب کی حیات مستقلہ ہے، یہ ایک نغمانی فکر ہے یہ اردو کی آبرو ہے۔ یہ کائنات کی وسعتوں کو ناپ سکتی ہے۔ دل گداختہ اسے جنم دیتا، ذہن کی پختگی اسے سنوارتی اور تخیل کی رفعت تأثر عطا کرتی ہے، اس کا ہر شعر آہ کی طرح اُٹھتا، آنسو کی طرح گرتا اور تیر کی طرح دل میں ترازو ہوجاتا ہے۔ یہ ان رموز و اسرار کی سچی عکاس ہے جو ذرے سے خورشید تک اور دامانِ باغباں سے کف گل فروش تک پھیلے ہوئے ہیں۔ شیر افضل جعفری کے الفاظ میں:

نطق پلکوں پہ شرر ہو تو غزل ہوتی ہے
آستیں آگ سے تر ہو تو غزل ہوتی ہے
داغ سلگے تو مہک اُٹھتا ہے بستان گداز
آہ میں بوئے اگر ہو تو غزل ہوتی ہے
ہر طرف زیست کی راہوں میں بچھے ہوں کانٹے
اور پھر عزم سفر ہو تو غزل ہوتی ہے
مدت عمر ہے مطلوب ریاضت کے لیے
زندگی بار دگر ہو تو غزل ہوتی ہے
ہاتھ لگتے ہیں فلک ہی سے مضامیں اکثر
دل میں جبریل کا پر ہو تو غزل ہوتی ہے
قاب قوسین کی، ارمان پیمبر ﷺ کی قسم
حسن چلمن کے ادھر ہو تو غزل ہوتی ہے

قبل ازیں کشفی کا ''تغزل آشنا'' قلم چلمن سے متعلق کلیتاً غزل کے ایک شعر کے لامحدود امکانات کا جائزہ لے چکا ہے۔ شیر افضل جعفری کے آخری شعر پر غور کیجیے، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، حق یہ ہے کہ خیال و فکر کا تقدس، غزل کے علائم و رموز کو حسن، رنگ اور نور کی ایک دنیا عطا کرجاتا ہے اور...... آج کے بہترین نعت گو وہی شاعر ہیں جنھوں نے غزل کی صنف کو مسخر کیا اور اس میں اپنے ہنر کو تسلیم کرایا۔(۳۰) یہ ایک حقیقت ہے کہ ...... فارسی اور اردو کی مقبول ترین صنف غزل ہے، غزل اپنے اختصار کے ساتھ ساتھ اس وجہ سے بھی مقبول ہوئی کہ اس کا ہر شعر اپنی جگہ ایک اکائی ہے اور یہ اکائیاں مل کر اس وحدت کی تعمیر کرتی ہیں جسے ہم غزل کہتے ہیں پھر ایک شعر میں جہان معنی آباد نظر آتا ہے۔ غزل کا ہر شعر ہمارے ذہن کی وادیوں میں اپنا مسکن بنا لیتا ہے اور اس کے مفہوم میں نت نئے پہلو پیدا ہوتے رہتے ہیں...... غزل کے سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صورت میں یہ قصیدہ کا نقش ثانی ہے۔(۳۱)

......غزل بڑی کافر صنف سخن ہے جو کسی مصلحت کے در پر اپنے مزاج اور اداؤں کو قربان نہیں کرتی، لیکن در خیرالوریٰ پر آکر سجدۂ تسلیم و رضا بجالاتی ہے کہ اس کی گل بدنی کو وہ گل فضا مل جاتی ہے جس کے بغیر وہ مکمل نہ تھی۔(۳۲)

اس لیے نعت میں یہ ضروری ہے کہ غزل کے علائم و رموز، فنی اعتبار سے یوں برتے جائیں کہ ان

میں رنگ و نور کی ایک قوسِ قزح جھلکے اور معنوی نطقۂ نظر سے محبت ابھرے، اطاعت سنورے اور تقدس نکھرے، کہیں بھی غزل کے روایتی انداز کا شائبہ نہ آئے۔ غزل کو باوضو بنانے کے لیے شاعر کی اپنی زندگی کا صالح ہونا ضروری ہے اگر یہ صالحیت نصیب نہ ہو تو نعت کہنے کے بجائے مبدٔ فیض کے حضور میں سراپا دعا بن جانا چاہیے۔ اس عطا کے بغیر نعت، غزل ہی کی صدائے بازگشت ہوگی جو گنبد خضریٰ کی ناراضی کا سبب بن کر حسن اعمال کو غارت کردے گی اور یہ شاعر کی فکری عظمت اور شعری ندرت ہوگی اگر وہ غزل کی علامتوں کو نعت میں یوں استعمال کرے کہ ان میں انوار کی ایک دنیا سمٹ جائے اور یہ علامتیں ''نئی معنویت'' حاصل کرلیں۔ غزل کے ڈھنگ اور آہنگ کو اپنانے سے نعت ایک ''سیارۂ نور'' اور ''شرار معنوی'' بن جاتی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ...... غزل کے نظامِ علائم و رموز پر تصوف کا سایہ ہے اور یوں محدود سے لامحدود کی طرف سفر ان علامتوں کے ذریعے سہل ہوجاتا ہے لامحدود کی طرف شاعر کا سفر اس کی تقدیر بھی ہے اور شعر کا مقدر بھی۔(۳۳) حق یہ ہے کہ شعور فن سے خلوص فن تک کے مرحلے انتہائی جاں گداز ہوتے ہیں۔ غزل گو عموماً فکر و خیال کی بے نام وادیوں میں بے مقصد گھومتا رہتا ہے۔ محبوب بھی فرضی سا ہوتا ہے اور آداب محبت بھی تصوراتی اور اظہار محبت بھی مبالغہ آمیز مگر نعت میں محبوب ﷺ متعین ہے اس کا حسن، رخ جمال الٰہی کا آئینہ، اس کا عمل، ہر دور کے ہر تقاضے کے لیے ہدایت کی ابدی مشعل، اس سے ہماری ہر زندگی کی ہر آبرو وابستہ، اس کی رحمت، دل کی ہر افسردگی کی شگفتگی کا سبب، اس لیے یہاں قدم قدم احترام اور قلم قلم احتیاط کی ضرورت ہے یہاں نہ اشہب فکر بے لگام ہوسکتا ہے اور نہ راہوار قلم، بگٹٹ۔ یہ ایک فنی اور فکری پل صراط ہے اور یہاں سے وہی سلامتی سے گزر سکتا ہے جسے حق نے قلب سلیم سے نواز رکھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قادرالکلام شاعر، نعت گوئی پر قادر نہیں ہوا کرتا...... غزل اور دوسرے اصناف سخن کا انتخاب خالص ادبی بنیادوں پر ممکن ہے۔ زبان کی برجستگی، مضمون کی صفائی، ندرت خیال، کسی نئے گوشے، کسی نئے اظہار کی بنا پر اشعار کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ لیکن نعت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیوں کہ نعت محض صنف سخن نہیں، بلکہ اپنے رسول ﷺ سے ہم امتیوں کے تعلق کا اظہار ہے اور اس اظہار کی سطحیں، تہیں اور پہلو بے شمار ہیں۔(۳۴) غزل ایک حرف شیریں اور استعارہ رقصاں ہے۔ غزل کے پہلے اہم شاعر شیخ سعدی نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا اور انھوں نے غزل میں ''رقیق، نازک، شیریں اور پر درد الفاظ استعمال کیے ہیں'' (شبلی) اردو کے نعت گو شعراء کی اکثریت نے نعت کے لیے غزل کی ہیئت کا انتخاب اسی بنا پر کیا ہے کہ ان کی نعت حدیث دل بن جائے شاید بلکہ یقیناً کسی بھی مذہب کے ماننے والوں میں سے انفرادی طور پر ہر ایک فرد کا رشتہ اپنے رسول کے ساتھ وہ نہیں

ہے جو ہر مسلمان کا رشتہ ہادیٔ برحق اور انیس بے کساں حضرت محمد ﷺ سے ہے، غزل کے آہنگ میں لکھی ہوئی نعتیں اس ذاتی اور شخصی رشتہ کو بڑی حد تک پیش کرتی ہیں، غزل کا عشقیہ لہجہ بڑا امتحان ہے اور یہ تلوار کی دھار پر سفر ہے، مبارک ہیں وہ لفظ شناس جو اپنے سلیقہ و ادب کے بنا پر سلامتی سے اس راہ سے گزرجاتے ہیں۔(۳۵)

جناب کشفی کے خیال میں غزل کی ہیئت، علامات اور اشارات کو جب ایک نعت گو، گداز فکر سے ہم آہنگ کرتا ہے تو وہ ''غزل کے پیکر کو قبائے نور عطا کرتا ہے'' گویا نعت لفظوں کو ویسے ہی جگمگا دیتی ہے جس طرح حضور ﷺ کی ایک نگہ لطف، مس خام کو کندن بنادیتی ہے...... نعت میں غزل کی علامتوں کا سیاق و سباق نہیں بلکہ منظر و پیش منظر اور معنوی سطح تک...... ہر چیز بدل جاتی ہے جس طرح حضور ﷺ کی نظر دلوں کی دنیا بدل دیتی تھی۔ اس طرح ان ﷺ کا ذکر لفظوں کی سطح اور معانی کو بدل کر نئی بلندیاں عطا کردیتا ہے۔(۳۶)

زندگی کے ہر مرحلے، وقت کی ہر گردش، فیصلے کی ہر گھڑی قلم کی ہر حرکت اور دل کی ہر دھڑکن میں اللہ تعالیٰ کی برتری مسلم رہنی چاہیے، وہی کارساز، وہی کارکشا، وہی غالب، وہی کار آفرین اور اللہ تعالیٰ کے بعد حضور ﷺ کی عظمت پیش نظر رہے اس غالب و کار آفرین تک پہنچنے اور اسے پانے کے لیے حضور ﷺ کی اطاعت لازم ہے جوش عقیدت میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اختیارات میں شریک کرلینا، کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ اس لیے نعت کے لیے جب بھی قلم اٹھے تو توحید و رسالت کا فرق واضح انداز میں سامنے رہنا چاہیے اور نعت کو حمد نہیں بننا چاہیے۔ جس طرح ایک عام بشر کی تعریف اگر مبالغے کو چھو جائے تو بقول جناب کشفی وہ خیر البشر ﷺ کی تعریف بن جاتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں خودبخود نعت ہوجاتی ہے کہ ''موضوع بدل جائے تو قدیم و مستعمل علائم و رموز بھی ایک نئی فضا تخلیق کر دیا کرتے ہیں'' اسی طرح اگر حضور ﷺ کی مدحت مقرر حد سے بڑھ جائے تو وہ خود بخود حمد کے دائرے میں پہنچ جائے گی، جسے شرعی اور ادبی اعتبار سے تعریف نہیں، تنقیص کہا جائے گا اور قلم شرک کا مرتکب ہوجائے گا، صرف نعت ہی کے لیے نہیں بلکہ ایمان کی تکمیل کے لیے بھی حضور ﷺ سے والہانہ نوعیت کی قلبی وابستگی ضروری ہے اور ......یہ وابستگی ایسی صراط مستقیم ہونی چاہیے کہ نعت گو ایک طرف تو توحید کے باب میں غیرت مند ہو اور اپنے رب کی احدیت پر کسی کا سایہ نہ پڑنے دے تو دوسری طرف مقام رسالت ﷺ کا ایسا شناسا ہو کہ ہر تصور، ہر عقیدہ اور ہر دوسری ذات کو اسی ذاتِ اقدس و اعظم ﷺ کے حوالے سے دیکھے۔(۳۷)

فیض پھر یاد آگئے:

ہر صبح گلستاں ہے ترا روئے بہاریں
ہر پھول تری یاد کا نقش کفِ پا ہے

رسول اکرمﷺ ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں احسن گفتار، اجمل رفتار اور اکمل کردار سے یوں نواز رکھا ہے کہ جتنا غور کرتے چلے جائیں؛ خیر کثیر'' کی نوازشیں اور وسعتیں کھل کر اور کھل کر سامنے آتی چلی جاتی ہیں۔ دست فطرت کے اس عظیم و جلیل شاہکار کو دیکھنے کا یارا کسی کسی کو ملتا ہے حسن نظر اور توفیق نظر بھی حسن آفرینی ہی کی دین ہے ورنہ ہر آنکھ سزاوار نظارہ نہیں ہوتی، جناب کشفی قرآن پاک کی اس آیت قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین (المائدہ) کی روشنی میں جب اقبال کے ان اشعار:

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یاز نور مصطفیٰ ﷺ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ﷺ ست

تک پہنچتے ہیں تو ان کا قلم ایک صد رنگ کہکشاں ابھارتا، سنوارتا اور نکھارتا چلا جاتا ہے کہ ان کی سوچ کی سچائی اور شعور کی زیبائی پر ایک رشک سا آتا ہے لکھتے ہیں...... حضور نبی کریم ﷺ کے حسن جاوداں اور حسن ہمہ جہت کو دیکھنے والوں نے اپنے ظرف کے مطابق دیکھا، جمالِ یار پر نظر کا ٹھہرنا ہی کیا آسان ہے......؟ معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ جمال پھول بن جاتا ہے اور کبھی رخسار اور رخساروں میں سورج تیرتے نظر آتے ہیں، حسن، حجاب نظر بن جاتا ہے مگر یوں کہ حسن کا ایک نیا پہلو سامنے آجاتا ہے۔ کبھی ''ہجوم لالہ و گل'' کبھی ''خندۂ برق و شرر'' آپ شمائل مصطفوی ﷺ کا مطالعہ فرمائیں تو یہی عالم نظر آئے گا، اپنے اپنے ذوق، آرزو اور احوال و ظرف کے مطابق۔ قرآن مجید نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو ''نور'' قرار دیا ہے۔ نور اپنے وجود، پر آپ دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے حضورﷺ کی زندگی ایک معجزہ اور دلالت نبوت ہے۔ اس زندگی کا ہر لمحہ ایسا روشن اور واضح ہے کہ اس کی روشنی کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے کسی اور روشنی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ حضورﷺ ہماری زندگی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہیں کہ ہم اشیاء کو ان ﷺ کے نور میں دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اشیاء ہمیں ان ﷺ کے حضور لے جاتی ہیں۔ چیزوں کو اسی نور سے بہا حاصل ہے یا پھر چیزیں اس کی تلاش میں مصروف ہیں، حضورﷺ کا نور ہرشے کے مقام کا تعین کرتا ہے:

فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے
ادائے رسم بلالی ﷺ و طرز بوالہبی

سروری صرف اس ذات بے ہمتا کو زیبا ہے اور ہر سجدۂ بندۂ مومن اسی کے لیے مخصوص ہے لیکن حضور ﷺ کے قرب و جوار میں جیسے سر میں ایک سجدہ مچلنے لگتا ہے اور الحمدللہ کہ فرزانگی، توحید اور شریعت کے آداب، اس سجدۂ بے تاب کو روک کر اس جذبے کو ہماری ذات کی شناخت بنا دیتے ہیں:

نہ سر سے جدا ہو، نہ کھل کر ادا ہو
اک ایسا بھی بے تاب سجدہ ہے سر میں (۳۸)

نعت، اسی سجدۂ بے تاب کی شعری ادائی ہے، یہ ایک عبادت ہے بے سجدہ و قیام، نعت کہتے ہوئے شاعر خود کو انوار کے ایک دلنواز ہالے میں محسوس کرتا ہے اور فی الواقع اسے کائنات حضور ﷺ ہی کے فروغ حسن سے جگمگاتی نظر آتی ہے اور ذات و کائنات کی حقیقتیں اور شناختیں اسی روشنی میں واضح ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔ درج بالا آیت میں لفظ ''نور'' سے جناب کشفی، حضور ﷺ کی ذات پر نور مراد لیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے قرآن پاک مراد لیا ہے۔ بہر کیف قرآن ہو یا صاحبِ قرآن، دونوں ایسے اجالے ہیں جن سے جہل و تعصب، شرک و کفر کے اندھیرے اور قلب و نظر کی تاریکیاں یوں کافور ہوجاتی ہیں جیسے سورج کی پہلی کرن، شب کی ظلمتوں کو نگل جاتی ہے۔ یہی نور بھٹکے ہوئے ذہنوں اور سرگرداں عقل کو راستہ ہی نہیں دکھاتا بلکہ ایک روشن منزل کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ یہ دونوں، اجالوں کا ایک ایسا سلسلہ ہیں جو روز بروز روشن تر ہوتا چلا جارہا ہے اور اس خوش نصیب کے کیا کہنے جو ''حضور ﷺ کے وسیلے سے کائنات سے رشتہ قائم کرتا اور کائنات کے واسطے سے حضور ﷺ سے یہ تعلق پیدا کرتا ہے۔'' (۳۹)

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی ﷺ تو ہو

جہاں تک نعت میں رسول پاک ﷺ کے ظاہری حسن و جمال کے تذکرے کا تعلق ہے۔ اس کا انحصار زیادہ تر تصور و وجدان پر ہے یا سراپائے اقدس کے تذکروں کو اپنے خیال میں سجا لینے سے ہے، یا پھر غزل کی تشبیہات کو مبالغہ عطا کرکے لا محدود فضاؤں میں داخل کرنے کی سعی سے ہے۔ ہاں اگر کسی کو زیارت حضور ﷺ خواب میں نصیب ہوجائے...... مگر وہ بھی ہزار کوشش کے باوجود، کچھ بھی نہ کہہ سکے گا بلکہ اسے آئینہ سامنے رکھ کر اپنی ہی آنکھوں کو چومنے کے پاکیزہ شغل سے فرصت ہی نہیں ملے گی اور تمام عمر سپاس و شکر کے انھی سجدوں میں تمام ہوجائے گی، تب ثابت ہوجائے گا

کہ اس حسن جہان تاب کے کسی بھی رخ کا احاطہ کوئی سا لفظی پیرایہ بھی نہیں کرسکتا، وہ نطق کو سکتے میں پائے گا اور ادراک و خرد کو کلیتاً مجبور کہ ...... سرکارﷺ جس خواب میں آئیں، وہ خواب بیداریوں کی بیداری ہوتا ہے۔ وسواس و گمان سے بالا تر۔ (۴۰)

صحابہ کرامؓ کی آنکھیں ہر لحظہ چہرۂ رسالت مآبﷺ پر مرکوز رہتی تھیں مقصود نظر وہی ایک چہرہ مبارک ہوتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انﷺ کے وصال کی خبر سے ایک صحابیؓ نے اپنی بینائی کے چھن جانے کی دعا کی تھی کہ اب وہ رعنائی روپوش ہوگئی ہے جس سے بصارت کو بصیرت کے اُجالے ملتے تھے۔ ان صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی نعتیہ شاعری میں صوری جمال سے زیادہ کمال سیرت پر زور دیا ہے، کیوں کہ نعت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سیرت کا جو کمال ہمارے پاس ہے، وہ منکرین مکہ کے پاس نہیں ہے، انکسار کا جو افتخار ادھر ہے اس سے عمائدین مکہ کی رعونتیں محروم ہیں۔ جو انوار مدینہ میں ہیں ان سے کفارِ مکہ کے گردوپیش بے نصیب ہیں اور توصیف رسالتﷺ میں جو رعنائیاں ہیں ان سے اہلِ مکہ کی تعلّیانہ خود نمائیاں بے بہرہ ہیں کہ نعت، کفار کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی۔ اس میں خود ممدوح بے مثالﷺ کی رضا اور دعا شامل تھی جب کہ روح القدس کی تائید کو احتراماً اور اصولاً شامل ہونا پڑتا تھا۔ نعت کے اسلوب اور اصول بھی اس زبان صدق اظہار نے متعین فرمائے تھے جس کی صداقت میں نہ ماضی شبہ کرسکتا تھا نہ حال اور نہ مستقبل کرسکے گا۔ عربی قصائد کا آغاز، فرضی یا کسی حد تک حقیقی محبوب کی ظاہری ستائش سے ہوتا تھا جسے تشبیب کہتے ہیں اور شاعر گریز کے بعد اصل مقصد کی طرف آیا کرتا تھا۔ اس قدیم شعری روش کے باوصف اس دور کی نعتیہ شاعری میں سیرت کا ذکر زیادہ ہے اور حق یہ ہے کہ وہی چہرہ نظر افروز ہوتا ہے جو غازۂ جاں کی بدولت گلگوں اور شفق رنگ ہوتا ہے۔ گویا نعت گوئی کا مقصد اولیٰ سیرت کے تذکرے کو عام کرکے، سامعین و قارئین کی سیرت کا رخ بدلنا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی انداز آج کے شاعر کے لیے آسان بھی ہے اور قابلِ عمل بھی۔ اگر وہ حسن ظاہر کے تذکروں میں پڑجائے گا تو لازماً کہیں نہ کہیں غزل کو مجازی رنگ راہ پاکر بات کو یوں بے کیف کردے گا کہ:

ذکر احمدﷺ سے ہے یوں کرنوں کی بارش روح پر
جیسے کوئی ماہ پیکر جھانکتا ہو بام سے

اور یہ ایک عام بات ہے کہ مشبہ بہ کو مشبہ کے مقابلے میں کامل تر ہونا چاہیے۔ اس نوع کی بازاری تشبیہات سے نعت کا جمال مجروح ہوتا ہے اور یہ ایک واضح صداقت ہے کہ شعر و ادب کے خزینوں میں کون سی تشبیہ ایسی ہے جو اس وجود ناز کی رعنائیوں کے لیے لائی جاسکتی ہے جس پر خود

حسن آفرین کا ناز ہو۔

دورِ حاضر کی نعتوں میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جو معنوی لحاظ سے قابلِ گرفت ہیں۔ اہل نظر کا اولین فرض ہے کہ وہ اس نوع کے اشعار پر کڑی اور بے لاگ تنقید کریں اور اس نقد و نظر پر شاعر برا نہ مانے اور نہ اسے ادبی، شخص اور شعری انا کا مسئلہ بنائے کیوں کہ مخاطب وہ ذات والا صفات ﷺ ہے جس کے حضور میں سانس بھی ہولے سے لینا چاہیے، بہتر ہے کہ وہاں دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہ آئے اور صرف آنسو ترجمان دل بے قرار بن جائیں، چہ جائیکہ کوئی کہے کہ ''آ میں تجھے آئینہ دکھاؤں'' کوئی انھیں ''عظیم تر'' کہہ کر ''عظیم ترین'' کے انتظار کے بارے میں مجبور کررہا ہو۔ کوئی مدینے کی گلیوں میں ''ناچنے'' کو فخر گردانتا ہو۔ یاد رہے کہ ''آئینہ دکھانا'' محاورہ ہے، برائی یا بھلائی کے سلسلے میں کسی کی حقیقت اس پر ظاہر کرنا اور ''ناچنا'' وہاں جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں؟ نعت میں لفظ اور مفہوم ہر دو واضح ہونے چاہییں، وضاحت کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیے، یہاں نہ لفظی ابہام چلتا ہے نہ معنوی ایہام اس نوع کی نشان دہی ضروری ہے۔ ورنہ کسی نہ کسی حالی کو دورِ حاضر کی نعتیہ شاعری کی تطہیر کے لیے اٹھنا پڑے گا۔ بصورتِ دیگر ستائش باہمی کی انجمنوں کو گنبد خضریٰ کی ناراضی کا یہاں بھی سامنا کرنا پڑے گا اور وہاں بھی جہاں ان ﷺ کی رحمتہ للعالمینی ہی ہر ایک کا واحد سہارا ہوگی نعت، برائے بیت کہنے سے بہتر ہے کہ سکوت ہی کو تکلم بلیغ سمجھا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ نہ ہر باتخلص شاعر ہوسکتا ہے اور نہ ہر شاعر، نعت گو۔ یہ تو کرم کے فیصلے اور نصیب کی باتیں ہیں۔ جناب کشفی نے اپنی تحریروں میں جابجا اس امر پر زور دیا ہے کہ دورِ حاضر کے نعت گو شعراء کو محاسن سیرت اور صحابہ کرامؓ کی عملی محبت کے تذکرۂ جمیل کو موضوع سخن بنانا چاہیے کہ ''اللہ تعالیٰ کا شاہکار محمد عربی ﷺ ہیں تو ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ شاہکار رسالت ﷺ ہیں(۴۱) اور یہ بھی ضروری ہے کہ ......اپنے آپ کو حسانؓ اور کعبؓ قرار دینے والے شاعروں کو بلند بانگ دعوے کرنے کی جگہ، ان کے قدموں میں بیٹھ کر نعت کے آداب سیکھ لینا چاہیے۔ صحابہ کرامؓ کے انداز کی شاعری اسی وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی اور فکر کے تضادات ختم ہو جائیں۔ صحابہ کرامؓ سے نعت گوئی کے آداب جس طرح بوصیریؒ ، سعدیؒ، جامیؒ و قدسیؒ اور اقبالؒ و ظفر علی خاںؒ نے سیکھے، اسے سامنے رکھ کر ہی سفینۂ نعت آگے اور آگے گہرے پانیوں میں سفر کرسکتا ہے۔(۴۲) یاد رہے کہ ...... دورِ صحابہؓ کی شاعری میں واقعات کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مدح ملتی ہے، صحابہ کرامؓ زندگی کو حضور ﷺ کے حوالے سے دیکھتے تھے اور حضور ﷺ کو زندگی کے حوالے سے یاد کرتے تھے۔ (۴۳) الغرض خوئے رسالت ﷺ اور خوش بوئے رسالت ﷺ ہی اس دور کی نعتیہ شاعری کی امتیازی

خصوصیت تھی۔ حضور ﷺ ہر اعتبار سے کامل اور ان کے سچے متبعین بہر نوع عظیم کہ ان کی محراب عظمت میں تاریخ کا ہر شرف دو زانو دکھائی دیتا ہے۔ انسان سازی ایک پیغمبرانہ مشن ہے اور نعت گوئی کا بنیادی مقصد بھی یہی ہونا چاہیے کہ دور حاضر سیرت کی خوش بو سے مہک اٹھے اور انسان فرشِ خاک پر رہتے ہوئے ''فلک مرتبت'' قرار پائے اور زمانے کی گردشیں اس کی دہلیز پر پہنچ کر رک جائیں اور ہوا کی موجیں اس کے آستانے کو بوسہ دے کر گزریں کہ :

جس سے ملی ہے منزل عرفان و آگہی
وہ ایک موج نور اسی رہ گزر میں ہے
ایسا بلند کر دیا انسان کا مقام
چرخ بریں بھی حلقۂ دام بشر میں ہے
تابندہ جس نے کر دیا بخت سیاہ کو
وہ گوہر کرم مرے داماں تر میں ہے

نعت میں بعض شاعر عالم محبت یا عالم محویت میں اور بعض ارادتاً '' یا'' کا ندائیہ لفظ استعمال کرتے ہیں جس سے بعض جبینوں پر شکنیں ابھر آتی ہیں۔ انہیں فی الواقع توحید کے آبگینے کی نزاکت اور استعانت کے حقیقی مرکز ومحور کا خیال ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عالم کیف میں جن خاصان بارگاہ کی ''فغان زیر لب'' بے ساختہ پکار کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ان پر نقد ونظر کرنے سے پہلے ناقد کو اپنے دل کی کیفیتوں کو ٹٹولنا ہوگا۔ کیوں کہ جب تک ایک ناقد خود کو شاعر کی دنیائے احساس میں نہ لے جائے وہ صحیح انداز میں نقد نہیں کرسکتا۔ اگر کسی خوش نصیب کے دل کے آئینے میں اس عظیم الشان انسان ﷺ کے حسن عالم تاب کی جھلک ہو اور اس پرتو پرنور نے اسے ذات و کائنات سے بے نیاز کر رکھا ہو اور اس کا پورا وجود ہی ایک ''سرگوشی'' بن گیا ہو تو تنقید سے کہیں بہتر ہے کہ اس کیف نشاط کی آرزو کی جائے۔ ایک اللہ والے (حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ) کی بارگاہ میں کچھ علمائے کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں استفسار کیا۔ آپ نے بات ٹالی۔ ادھر سے اصرار بڑھا تو آپ کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ ''حضور ﷺ سے جسے جتنا تعلق خاطر ہے حضور ﷺ اس کے لیے اتنے ہی حاضر و ناظر ہیں'' اللہ والوں کی باتوں کے پس پردہ بصیرت افروز بصارت لو دیا کرتی ہے۔ ہمارے بیش تر مذہبی جھگڑے، قلبی تعلق کے فقدان کی دلیل ہیں۔ سوئی، مقناطیس کے قریب ہونا ہی نہ چاہے تو یہ اس کی کم نصیبی ہے۔ ذرے، تابش خورشید سے ٹکرائیں گے تو خود چاند بن کر طباشیری کرنیں بکھیریں گے۔ جناب کشفی ہشام علی حافظ کے نعتیہ

کلام ''یا حبیبی ﷺ یا رسول اللہ'' ﷺ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہ نام محض کتاب کا نام نہیں بلکہ ایک سرگوشی ہے ...... سارے وجود کی سرگوشی...... ایک فغان زیرِ لب ہے جو ہونٹوں کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی یہاں ''یا'' کے استعمال میں استمداد اور استعانت نہیں بلکہ ایک امتی کا تخاطب ہے جو دل کی گہرائیوں میں اس ذات گرامی ﷺ کو موجود پاتا ہے، وہ ذات جو اساس ایمان ہے اور آج بھی ہر امتی کے لیے حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔ نظروں سے غائب مگر فکر و شعور و آگاہی میں تو انا قوت کی طرح موجود''(۴۳)

نعت میں ''تو'' اور ''تم'' کے لفظی استعمال کو بعض لوگ سوئے ادب سمجھتے ہیں ان کی نیت راست ہے۔ جب کہ ''آپ'' کہیں بہتر لفظ ہے۔ بعض فنی مجبوریاں بھی ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح ''یثرب'' کے لفظ کا استعمال ہے جسے خود حضور ﷺ نے پسند نہیں فرمایا مگر یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ ماضی میں بعض ثقہ اور معتبر شخصیات نے بھی اسے استعمال کیا ہے۔ حالاں کہ اس کی جگہ ''طیبہ'' کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی عروضی روک نہیں ہے۔ حضور ﷺ کو خطاب کرنے کے سلسلے میں خود قرآن مجید میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس ضمن میں جناب کشفی کا تعلق خاطر ''تو'' کے لفظ میں کہیں زیادہ قربت اور انس محسوس کرتا ہے۔ یہ لفظ انہیں ''ادب اور شاعری کی دنیا میں ایک زندہ اور توانا لفظ نظر آتا ہے ایسا لفظ جو روایات اور معانی کی ایک دنیا ہے''(۴۴) اسی نکتے کو وہ ایک مقام پر یوں واضح کرتے ہیں...... پاکستان کے ایک نہایت اچھے نعت گو اپنے اس نظریہ کا خاصے تشدد سے پرچار کرتے ہیں کہ امام الانبیا ﷺ کے لیے ''تو'' اور ''تم'' کی ضمیریں استعمال کرنا گستاخی ہے۔ اس رائے کو قبول کرنا بہت مشکل ہے ''تو'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کہ اس کی وحدت کا اشارہ ہے اور حضور ﷺ کے لیے بھی نبیوں میں ان کی یکتائی کے پیش نظر مستعمل ہے۔ پھر اس لفظ میں جو قربت اور محبت ہے وہ کسی اور خطابیہ لفظ میں نہیں۔ ہاں جسے گستاخی کا پر تو نظر آئے اس کے لیے ''تو'' اور ''تم'' سے مکمل اجتناب لازم ہے۔(۴۵) یاد رہے کہ ...... کوئی لفظ خود بے قدر یا کم قدر نہیں ہوتا۔ اسے اعتبار نسبت سے حاصل ہوتا ہے۔ ابوبکرؓ کو صدیقؓ ، عمرؓ کو فاروق ، عثمانؓ کو غنی اور علیؓ کو باب العلم کس نے بنایا؟ اسی نسبت نے اور یہی نسبت ''تو'' کو ہماری زبان کا سب سے معتبر لفظ بنا دیتی ہے۔ حضور ﷺ سے ہمارا تعلق محض ضابطہ کا نہیں یہ تعلق تو نغمۂ روح اور حدیث شہ رگ ہے۔ اس قربت کے بار کو ''تو'' کا لفظ ہی سہار سکتا ہے یہی لفظ اس رب جلیل سے ہمارے تعلق کے اظہار کی اساس بنتا ہے جو رگ جاں سے بھی قریب تر ہے۔ (۴۶)

ایک اور مقام پر کشفی لکھتے ہیں کہ ...... یہ لفظ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی نسبت سے ہماری

زبان کا سب سے زیادہ محترم لفظ ہے۔ عشقیہ شاعری میں بھی یہ اپنا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ خاصان محمدﷺ نے اپنے رسولﷺ ، اپنے آرام جاںﷺ اور اپنے محبوبﷺ کے لیے مسلسل یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظوں کے معنی محض لغت یا اپنے وہم اور مذاق میں تلاش نہ کیجیے زندگی اور زبان کے عام اور زندہ استعمال میں تلاش کیجیے لفظ ''تو'' دانہ گوہر یکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ رسول عربیﷺ کی نسبت سے جس نے بھی ''تو'' کی یکتائی کو سمجھا، اسے عشق یکتاؑ سے نواز دیا گیا۔ محض وعظ ہو یا سیرت کی کتاب، ہم نبی کریمﷺ کی ذات فلک مرتبت کے لیے '' آپ'' کا لفظ اور بہت سے القاب و آداب میں استعمال کرتے ہیں۔ سرورِ کونین، ختمی مرتبت، سید کل ، خیر البشر، رسول اعظم، ہادی برحق صاحب کوثرﷺ وغیرہ وغیرہ لیکن جب تخلیقی لمحوں میں ہمارا جذبِ دروں ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑاتا ہے اور جب یہ بزمِ کائنات ہمارے لیے بدل جاتی ہے تو یہ سارے القاب، یہ آداب، یہ سارے لفظ، ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں ''تو'' میں۔ یہ چھوٹا سا یک رکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے ۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہماری خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ خلوت جس میں جمال مصطفیٰﷺ ہوتا ہے اور ہماری حیرانی۔ یہ ہمارے اختیار کی نہیں ، سپردگی کی منزل ہوتی ہے۔(۴۷)

الغرض نعت گوئی ، اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور حضورﷺ کے التفات کا ایک دل آویز نتیجہ ہے اور اس عطا پر شاعر جس قدر بھی شکر ادا کرے کم ہے۔ مگر اس اظہار سپاس میں کسی پہلو سے بھی فخر کا شائبہ نہیں ہونا چاہیے ۔ کیوں کہ فخر ہی سے کبر و عجب کو غذا ملتی ہے۔ جب کہ نعت گوئی بنیادی طور پر ''عطا'' کی بات ہے اس لیے کہ بڑائی معطی ہی کو زیب دیتی ہے اور ایسے شاعر خوش نصیب ہیں جنہیں نعت گوئی کی توفیق عطا ہوئی ہو۔ حمد و ثنا نیلے آسمان والے اور درود و سلام سبز گنبد میں سونے والےﷺ کے لیے اور سلامتی کی دعا، انﷺ کی توصیف و ثنا کو شعری پیرہن دینے والے کے لیے ...... سلام ان گلیوں پر جو آج بھی حضورﷺ کے نقش کف پا کے سورج اپنے ذروں میں چھپائے ہوئے ہیں اور سلام اس دنیا پر کہ انﷺ سے پہلے تیرہ خاکدان تھی اور جب وہ آئے تو عالم امکان بن گئی۔ (۴۸)

اور اب آخر میں جناب کشفی کے نعتیہ مجموعہ ''نسبت'' کے بارے میں احقر کا اولین تأثر دیکھیے جو مدیر ''نعت رنگ'' کو ایک مکتوب کے ذریعے ۱۳رفروری ۲۰۰۰ء کو ارسال کیا گیا تھا کہ یہ کتاب انہی کی وساطت سے ملی تھی۔

مکرمی! سلام مسنون

حافظ شیرازیؒ کے کم وبیش تمام مطبوعہ دواوین میں ایک شعر یوں ہے:

خوشا نماز و نیاز کسے کہ از سر درد
بآب دیدہ و خون جگر طہارت کرد

میرے پاس ایک قلمی دیوان حافظ تھا اس میں یہ شعر یوں نظر پڑا:

خوشا نماز نیاز کسے کہ از سر صدق
بآب دیدہ و خون جگر طہارت کرد

غور کیجیے کہ محض ایک حرف عطف کے اٹھ جانے اور ایک لفظ کے بدل جانے سے بات کیا سے کیا ہوگئی۔ اسی ساعت ذہن میں یہ نکتہ ابھرا کہ نعت ہی وہ ''نماز نیاز'' ہے جو ادا نہیں ہوسکتی جب تک صدق دل کے ساتھ خون جگر سے کشید ہونے والے آنسوؤں سے وضو نہ کیا جائے کہ یہ درود وسلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدگی کو رسول پاک ﷺ کی اتباع سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اتباع، قلبی محبت ہی کا ایک عملی اظہار ہے۔ گویا حضور ﷺ کا محبّ، خدا کا محبوب اور حضور ﷺ کا مدح خواں، خدا کی پسندیدہ شخصیت ہے اور یہ وہ شرف ہے جس کے حصول کے لیے ہر آرزو قربان ہوسکتی ہے۔:

نعت نبی ﷺ درود ہے، نعت نبی ﷺ سلام
نعت نبی ﷺ نماز ہے بے سجدہ و قیام

اور جناب سیّد ابو الخیر کشفی نے یہ ''نماز نیاز'' جس روحانی خلوص، جس فکری تقدس، جس علمی رسوخ اور جس شعری تغزل کے ساتھ ادا کی ہے۔ وہ سراسر گنبد خضریٰ ہی کی عطا معلوم ہوتی ہے کہ:

طیبہ کی ہوا مدحت سرکار ﷺ کی قاصد
ان ﷺ کا نہ اشارہ ہو تو ہم کچھ نہیں لکھتے

جناب کشفی نے جس انداز سے ذہن کو سجایا، جس رنگ سے نعت نگاری کے لمحوں کو اجالا، جس شوق سے دیارِ ناز کی یادوں سے قلب و نظر کو معطر ومنور رکھا اور جس ادا سے کالی کملی کی اوٹ سے ابھرتے سورج کو شعری آئینہ بنایا وہ فی الواقع بڑے نصیب کی بات ہے جو خاصان بارگاہ ہی کو نصیب ہوا کرتی ہے۔ عرفی نے ٹھیک ہی کہا تھا:

جوہر طبع من از وصف کمالت روشن
گوہر نظم من از نسبت ذاتت ممتاز

حق یہ ہے کہ نعت گوئی ہی وہ صنف سخن ہے جو فکر و خیال کی بے نام وادیوں میں بھٹکنے اور بھٹکنے والوں کی پریشان نظری کو سیر چشمی کی نعمت عطا کرتی ہے۔ یہاں نہ زیب داستان کے لیے کچھ بڑھانے کی کوئی حاجت ہے اور نہ بیان حسن کو کسی شعری صنعت کی ضرورت کہ مشبہ کے مقابلے میں ہر مشبہ بہ فروتر ہے ... ہزار پھول شگفتہ اور وہ اک تبسم لب ... ہزار عید کے چاند اور وہ اک رخ نظر افروز ... خلاصہ آیات محکمات بھی اور صداقت انوار بینات بھی کہ خود حسن آفرین بھی مشتاق دید نظر آتا ہے:

جو حسن میرے پیش نظر ہے اگر اسے!
جلوے بھی دیکھ لیں تو طواف نظر کریں

اور جناب سیّد ابو الخیر کشفی، ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں کہ اس صنف سخن نے انہیں جمالِ نظر، جمالِ فکر اور جمالِ سخن عطا کیا ہے۔ اب اور کیا تجھے دل دیوانہ چاہیے؟

یقین کیجیے کہ ایک مدت کے بعد ایک ایسی کتاب ملی، جسے پڑھ کر درد چھلکتا اور روح مہکتی رہی اور احقر کی بے کیفیوں کو ایک طویل عرصے کے بعد کیف ملا۔ پلکوں پر ستارے لرزتے اور موتی ٹوٹتے رہے جب کہ یہ گوہر، آنکھوں میں پتھرا سے گئے تھے۔ میں جناب کشفی کا ممنون احسان ہوں کہ ان کے طفیل وہ آنسو نصیب ہوئے جن سے دل کا غبار دُھلتا اور حائل حجاب اُٹھتے ہیں۔ کہنے والے چشمِ گوہربار کو عنایتِ پروردگار یوں ہی نہیں کہا کرتے۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر تحریر ہے:

میرے اشکوں سے بنے گنبدِ خضریٰ کی شبیہ
تیری رحمت ہو عطا دیدۂ نم کی صورت

اور جب یہ آرزو شرف قبول پاتی ہے تو انکسار کا افتخار یوں ناز کرتا ہے:

ایسے عاصی بھی ہیں جو تابِ نظر رکھتے ہیں
اپنی آنکھوں میں محبت کے گہر رکھتے ہیں

جناب سیّد ابو الخیر کشفی نے احقر کو ''برادر عزیز'' لکھا ہے ایک صاحب دل، صاحب فکر اور 'صاحب نسبت' نعت گو کے قلم سے نکلنے والے یہ ''دو لفظ'' میری حیات مستعار کا سرمایہ ہیں۔ کاش یہی سرمایہ، اس تن آساں، ناتواں، آلودہ داماں اور بے سروساماں کے لیے اخروی سرخروئی کا باعث بن جائے کہ یہاں بھی اور وہاں بھی بات کسی نہ کسی نسبت ہی سے بنے گی۔

اُمید ہے کہ آپ مع جملہ احباب بخیر ہوں گے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری..... ایک تاثر، نعت رنگ ،۲، ص ۲۲۱
۲۔ نعت کے عناصر، نعت رنگ ، ۵، صفحہ ۲۲
۳۔ دیباچہ، ارمغان جمیل (نعتیہ مجموعہ جمیل نقوی)، صفحہ۲
۴۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، 'نعت رنگ، ۹، صفحہ ۳۸
۵۔ مضمون فارسی اور اردو میں نعت کی روایت، صفحہ ۴۲، ۴۴، مجلہ حضرت حسانؓ نعت ایوارڈ، ۱۹۹۰ء۔۱۹۹۱ء
۶۔ امین راحت چغتائی کی نعت گوئی، 'نعت رنگ' ۱۰، صفحہ ۲۲۴، ۲۲۶
۷۔ دیباچہ، مدحت خیر البشرﷺ، راغب مراد آبادی، مطبوعہ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۷
۸۔ دیباچہ، مدحت خیر البشرﷺ، راغب مراد آبادی، مطبوعہ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۲۶
۹۔ دیباچہ، مدحت خیر البشرﷺ، راغب مراد آبادی، مطبوعہ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۲۷
۱۰۔ دیباچہ، ارمغان جمیل، نعتیہ مجموعہ، جمیل نقوی، صفحہ ۱۱
۱۱۔ دیباچہ، ارمغان جمیل، نعتیہ مجموعہ، جمیل نقوی، صفحہ ۹
۱۲۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، 'نعت رنگ' ۹، صفحہ ۳۰
۱۳۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، 'نعت رنگ' ۹، صفحہ ۲۲
۱۴۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، 'نعت رنگ' ۹، صفحہ ۴۵
۱۵۔ دیباچہ، جادۂ رحمت، نعتیہ مجموعہ، صبیح رحمانی، ص ۱۱
۱۶۔ دیباچہ، جادۂ رحمت، نعتیہ مجموعہ، صبیح رحمانی، ص ۱۷
۱۷۔ مقامِ محمدﷺ السیرۃ عالمی، شمارہ ۲،۳،۴
۱۸۔ دیباچہ، سروش سدرہ، مجموعہ کلام، ارمان اکبر آبادی
۱۹۔ پیش گفتار، مجموعہ نعت، سید محمد ابوالخیر کشفی، نسبت صفحہ ۷
۲۰۔ افسر ماہ پوری کی نعتیہ شاعری، طور سے حرا تک، صفحہ ۱۴
۲۱۔ دیباچہ نعتیہ مجموعہ ارمغان جمیل، شاعر جمیل نقوی
۲۲۔ دیباچہ نعتیہ مجموعہ ارمغان جمیل، شاعر جمیل نقوی
۲۳۔ دیباچہ، افسر ماہ پوری کی نعتیہ شاعری، طور سے حرا تک، صفحہ ۱۶
۲۴۔ مقدمہ، نعتیہ مجموعہ 'اساس' سرشار صدیقی، صفحہ ۱۱
۲۵۔ نعت کے عناصر، مضمون، 'نعت رنگ' ۵، صفحہ ۳۲
۲۶۔ ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری، 'نعت رنگ' ۲، صفحہ ۲۱۷
۲۷۔ نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم، 'نعت رنگ' ۴، صفحہ ۳۷
۲۸۔ امین راحت چغتائی کی نعت گوئی، 'نعت رنگ' ۱۰، صفحہ ۲۲۹

۲۹۔ دیباچہ مدحت خیر البشرﷺ ، نعتیہ مجموعہ، راغب مراد آبادی، صفحہ ۲۹
۳۰۔ نعت کے عناصر، نعت رنگ ۵، صفحہ ۲۴
۳۱۔ مقالہ اردو معاشرے میں شاعری کی اہمیت
۳۲۔ نعت کے عناصر، 'نعت رنگ' ۵، صفحہ ۲۷
۳۳۔ دیباچہ، اساس، نعتیہ مجموعہ، سرشار صدیقی ، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۹
۳۴۔ دیباچہ، سفینہ نعت، مسرور کیفی، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۸
۳۵۔ نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم ، 'نعت رنگ' ۴، صفحہ ۴۱
۳۶۔ دیباچہ، رحمت لقب، اقبال صفی پوری، مطبوعہ ۱۹۸۸ء، صفحہ ۷
۳۷۔ دیباچہ، بصیرت، نعیم نقوی، مطبوعہ ۱۹۷۸ء، صفحہ ۵
۳۸۔ دیباچہ، رحمت لقب، اقبال صفی پوری، مطبوعہ ۱۹۸۸ء، صفحہ ۹
۳۹۔ اسلامی معاشرے میں شاعری کی حیثیت
۴۰۔ دیباچہ، ارمغان جمیل، جمیل نقوی صفحہ ۲
۴۱۔ نعت کے عناصر، 'نعت رنگ' ۵، صفحہ ۲۷
۴۲۔ نعت کے موضوعات 'نعت رنگ' ۶، صفحہ ۲۱
۴۳۔ ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری، 'نعت رنگ' ۲، صفحہ ۲۱۷
۴۴۔ نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم، 'نعت رنگ' ۴، صفحہ ۲۱
۴۵۔ فارسی اور اردو میں نعت کی روایت ، مجلّہ حضرت حسانؓ نعت ایوارڈ، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، صفحہ۳۵
۴۶۔ دیباچہ سردش سدرہ ، ارمان اکبر آبادی
۴۷۔ نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم، 'نعت رنگ' ۴، صفحہ ۵۲
۴۸۔ دیباچہ ارمغانِ جمیل، جمیل نقوی

☆☆☆☆☆